عالمی مجلس تحفظ ختم نبوۃ کا ترجمان

ہفت روزہ ختم نبوۃ

INTERNATIONAL URDU WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT KARACHI PAKISTAN

جلد: ۳۷ | ۷ تا ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳ تا ۳۱ مئی ۲۰۱۸ء | شمارہ: ۲۰

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

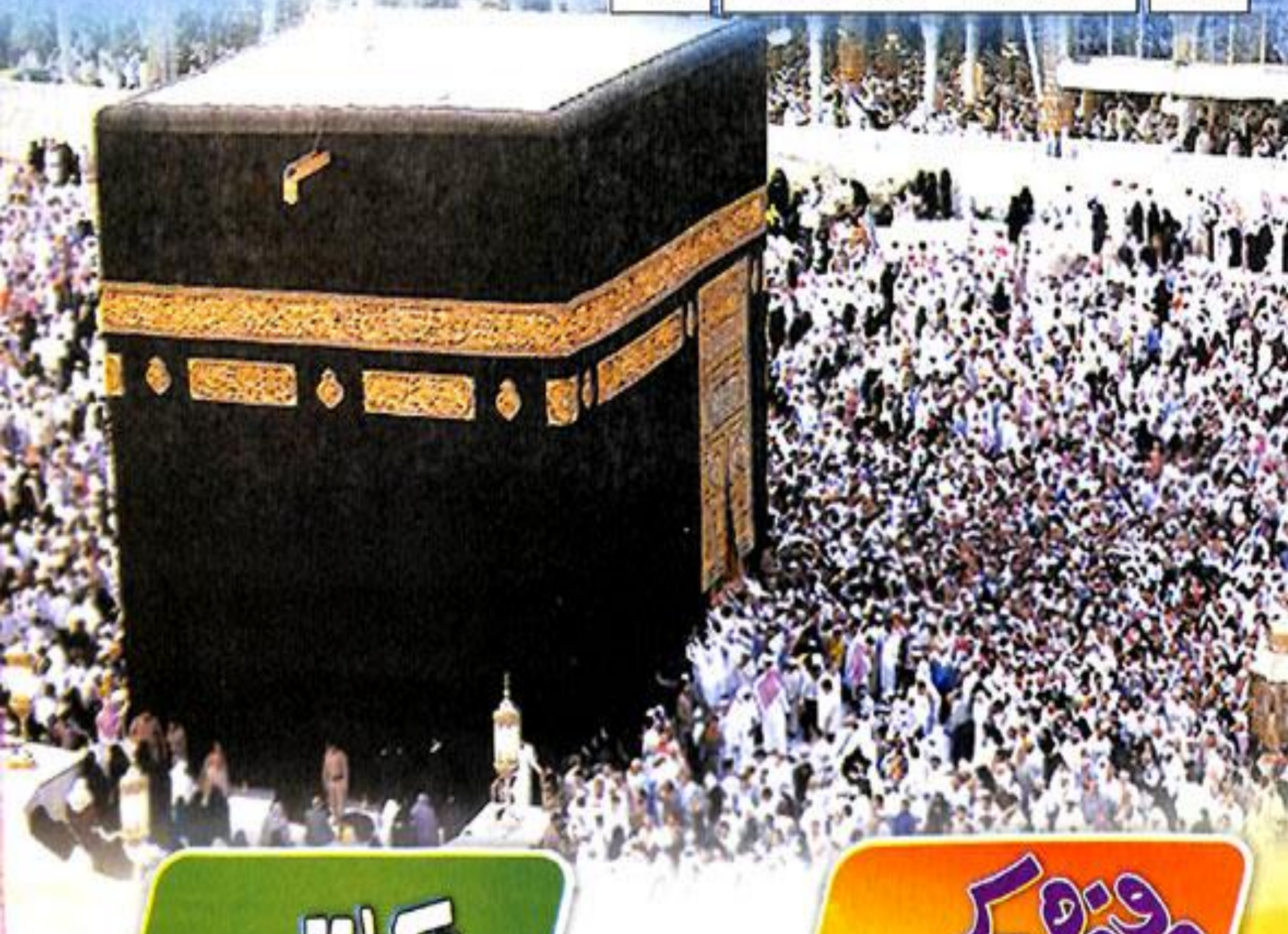

روزہ کے قضا و کفارہ کے مسائل

زکوٰۃ کے مصارف

Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.org
Email: editorkn@yahoo.com
Website: http://www.khatm-e-nubuwwat.info
http://www.khatm-e-nubuwwat.com

شادی میں دیئے گئے تحفہ تحائف کی حیثیت

س:......میاں بیوی میں ناچاقی ہوگئی ہے۔ شوہر نے بیوی کو اس کے والدین کے گھر چھوڑا ہوا ہے اور واپس نہیں لے جانا چاہتا (طلاق نہیں ہوئی ہے) کہتا ہے زیور واپس کروگی تو جہیز کا سامان واپس ہوگا۔ یہ وہ زیور ہے جو شادی کے وقت لڑکی کو لڑکے کی طرف سے تحفتاً دیا گیا تھا۔ حق مہر ادا نہیں کیا گیا ہے اور جو چوڑیاں شادی میں لڑکے نے دی تھیں کہتا ہے ان سے مہر لے لو۔

ج:......واضح رہے کہ شادی کے موقع پر لڑکے والے جو تحفہ تحائف لڑکی کو دیتے ہیں وہ سب لڑکی کی ملکیت شمار ہوتے ہیں۔ زیور کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر وہ عاریتاً دیئے گئے تھے یعنی صرف پہننے اور استعمال کرنے کے لئے تو وہ واپس لے سکتے ہیں اور اگر دیتے وقت ان کی نیت تحفہ کی تھی تو وہ لڑکی کی ملکیت ہوں گے۔ جھگڑے کی صورت میں لڑکے والے جو کہیں اُن کی بات پر اعتبار کیا جائے۔ اگر وہ جھوٹ سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ ہوگا، یہاں بچ جائیں گے وہاں پکڑے جائیں گے۔ باقی مہر کی ادائیگی میں اگر چوڑیاں دی گئی ہیں تو وہ واپس نہیں لے سکتے اور لڑکی والوں نے جو جہیز دیا ہے وہ سب لڑکی کا ہے جس حال میں بھی ہو واپس کرنا ضروری ہے۔

بچے کی پرورش کا حق

س:......میری شادی کو ۶ ماہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، ڈاکوؤں نے گولی ماردی تھی۔ اس وقت میں ۳ ماہ کے حمل سے تھی، پھر فتویٰ لیا تو کہا کہ عدت مجھے اپنے سسرال میں پوری کرنا پڑے گی۔ میں نے وہاں عدت پوری کی، مجھے اللہ نے بیٹا دیا، پھر میں وہ گھر چھوڑ کر اپنی امی کے گھر رہنے لگی۔ آج میرا بیٹا ڈیڑھ سال کا ہوگیا تو ان دنوں میں اس بچے کے ددھیال والوں کو ہفتہ، دس دن بعد خیال آئے تو وہ میرے بیٹے کو اپنے پاس بلواتے تھے۔ عدت کے بعد میرے بہت رشتے آئے، لیکن جہاں اللہ کو منظور تھا وہاں میری شادی ہوگئی۔ میری شادی کے بعد اب میرے بیٹے کو اس کے ددھیال والے روز لینے آتے ہیں، لیکن اچانک اب ان لوگوں نے میرے بیٹے کو اپنے پاس رکھ لیا اور کہہ رہے ہیں کہ اب ہم نہیں دیں گے اور کہہ رہے ہیں کہ ’’تیرا کوئی حق نہیں بنتا‘‘ تو یہ کہاں کا انصاف ہے؟ میں اپنے بیٹے سے بہت پیار کرتی ہوں، بس مجھے میرا بیٹا چاہئے اور آپ لوگوں سے میری التجا ہے کہ اسلام کے قانون کے مطابق ہماری راہنمائی فرمائیں۔

ج:......صورت مسؤلہ میں چونکہ آپ نے دوسرا نکاح کرلیا ہے تو اگر دوسرا خاوند بچے کا ذی رحم محرم نہ ہو تو ماں کا حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے۔ اب یہ حق بچہ کی نانی کو منتقل ہوگیا۔ نانی بھی اگر کسی وجہ سے یہ حق چھوڑ دے تو پھر یہ حق دادی کو منتقل ہوجائے گا۔ لہٰذا آپ کا حق ساقط ہوکر بچہ کی نانی کو منتقل ہوگیا ہے اور سات سال کی عمر تک بچہ نانی کے پاس رہے گا، اس دوران بچہ کے ددھیال والے ملنے آسکتے ہیں، جب عمر سات سال ہوجائے گی تو بچہ کے ددھیال والے بچہ کو اپنی کسٹڈی میں لے سکیں گے، لیکن اگر نانی بچہ کی پرورش پر راضی ہیں تو ددھیال والے بچہ کو زبردستی سات سال کا ہونے سے پہلے اپنی کسٹڈی میں نہیں لے سکتے۔ ایسا کرنا ظلم اور ناجائز ہے اور ان لوگوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے اور جہالت پرمبنی ہے کہ ’’تیرا کوئی حق نہیں ہے‘‘ بچہ کی پرورش ایک عظیم ذمہ داری ہے شریعت بہتر فیصلہ کرتی ہے کہ یہ ذمہ داری کس کو سونپی جائے اور کون اس کا اہل ہے۔ اس لئے شریعت کے مطابق عمل کرنے میں ہی سب کے لئے عافیت اور بہتری ہے۔ ددھیال والوں کا بچہ کو اپنے پاس روکے رکھنا شرعاً درست نہیں بلکہ ظلم وزیادتی ہے، ان پر لازم ہے کہ بچہ ننھیال کے حوالہ کردیں اور مذکورہ تفصیل کے مطابق فریقین عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہفت روزہ

ختمِ نبوّت

انٹرنیشنل

مجلسِ ادارت

مولانا سید سلیمان یوسف بنوری، صاحبزادہ مولانا عزیز احمد،
علامہ احمد میاں حمادی، مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی،
مولانا قاضی احسان احمد

جلد: ۳۷ ۷ تا ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۳ تا ۳۱ مئی ۲۰۱۸ء شمارہ: ۲۰

اس شمارے میں!

قومی اسمبلی کا مستحسن اقدام	۵	محمد اعجاز مصطفیٰ
روزہ کے قضاو کفارہ کے مسائل	۹	مولانا ندیم الواجدی
نئے حالات کے لئے حالات کا جائزہ ضروری	۱۳	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی
زکوٰۃ کے مصارف	۱۷	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ	۲۲	مولانا محمد روح اللہ نقشبندی
نزول عیسیٰ علیہ السلام (۲۱)	۲۵	حافظ عبید اللہ
معتمد اور غیر معتمد تفاسیر (۳۱)	۲۷	مولانا فضل محمد یوسف زئی

سرپرست

حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مدظلہ
حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی مدظلہ

مدیر اعلیٰ

مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری

نائب مدیر اعلیٰ

مولانا محمد اکرم طوفانی

مدیر

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ

معاون مدیر

عبد اللطیف طاہر

قانونی مشیر

حشمت علی حبیب ایڈووکیٹ
منظور احمد میو ایڈووکیٹ

سرکولیشن منیجر

محمد انور رانا

تزئین و آرائش

محمد ارشد خرم، محمد فیصل عرفان خان

بیاد

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ
مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ
مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اخترؒ
محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ
فاتح قادیان حضرت اقدس مولانا محمد حیاتؒ
مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد الرحیم اشعرؒ
مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا تاج محمودؒ
ترجمان ختم نبوت مولانا محمد شریف جالندھریؒ
جانشین حضرت بنوری حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ
شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
حضرت مولانا سید انور حسین نفیس الحسینیؒ
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد المجید لدھیانویؒ
شہید ختم نبوت حضرت مفتی محمد جمیل خانؒ
شہید ناموس رسالت مولانا سعید احمد جلال پوریؒ

زرِ تعاون

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا: ۹۵ ڈالر، یورپ، افریقہ: ۷۵ ڈالر، سعودی عرب،
متحدہ عرب امارات، بھارت، مشرق وسطیٰ، ایشیائی ممالک: ۶۵ ڈالر
فی شمارہ ۱۰ روپے، ششماہی: ۲۲۵ روپے، سالانہ: ۴۵۰ روپے

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c# 0010010964680019
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK68ABPA0010010964680019
AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT 0010010964710018
(انٹرنیشنل بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN NO. PK45ABPA0010010964710018
Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت (ٹرسٹ)
ایم اے جناح روڈ کراچی فون: ۳۲۷۸۰۳۳۷ فیکس: ۳۲۷۸۰۳۴۰
Jama Masjid Bab-ur-Rehmat (Trust)
Old Numaish M.A.Jinnah Road Karachi
Ph:32780337, Fax:32780340

مرکزی دفتر: حضوری باغ روڈ، ملتان
فون: ۰۶۱-۴۷۸۳۴۸۶
Hazori Bagh Road Multan
Ph:061-4783486

لندن آفس:
35,Stockwell Green
London, SW9 9HZ U.K
Ph:0207-737-8199

ناشر: عزیز الرحمٰن جالندھری مطبع: القادر پرنٹنگ پریس طابع: سید شاہد حسین مقام اشاعت: جامع مسجد باب الرحمت ایم اے جناح روڈ کراچی

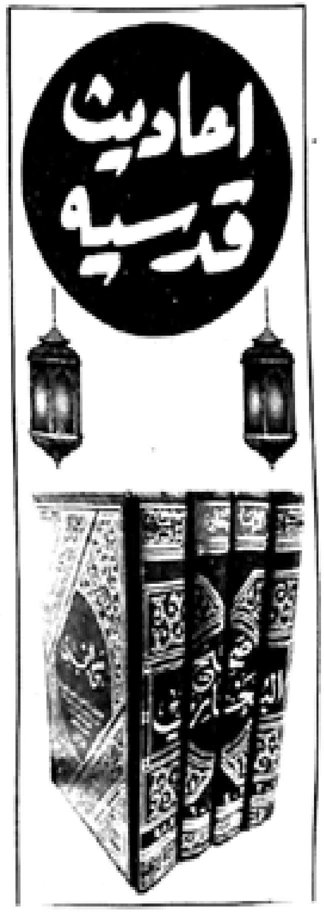

سحبان الہند حضرت
مولانا احمد سعید دہلوی

جہاد فی سبیل اللہ و شہادت

حدیث قدسی ۵: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمہارے جو بھائی اُحد کی جنگ میں شہید ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھا، وہ ارواح جنت کی نہروں پر جاتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں اور ان قندیلوں میں جو عرش میں لٹکی ہوئی ہیں آ کر آرام کرتی ہیں جب ان ارواح کو کھانے پینے اور رہنے کی یہ خوبیاں معلوم ہوئیں تو انہوں نے کہا: ہمارے ان بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں یہ خبر کون پہنچائے کہ ہم زندہ ہیں تاکہ وہ بھی دنیا سے بے رغبتی کریں اور لڑائی میں سستی اور کاہلی سے کام نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میں تمہاری جانب سے یہ بات ان کو پہنچا دیتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل احیاء عند ربھم یرزقون'' یعنی اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ مت سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دیئے جاتے ہیں۔

حدیث قدسی ۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان دو بندوں پر اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ ایک دوسرے کو قتل کرے اور پھر دونوں جنت میں داخل ہو جائیں ایک اللہ کے راستے میں لڑے اور شہید ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ قاتل کو اسلام کی توفیق دے اور وہ مسلمان ہو کر کسی جنگ میں شہید ہو جائے۔ (بخاری، مسلم) یعنی ایک پہلی دفعہ کافر کے ہاتھ سے شہید ہوا پھر وہ کافر مسلمان ہو کر جہاد کرنے نکلا اور شہید ہو گیا۔

حدیث قدسی ۷: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار فرماتے ہیں جو پابہ زنجیر جنت میں داخل کیے جاتے ہیں، ایک اور روایت میں ہے جو زنجیروں سے باندھ کر جنت میں لے جائے جاتے ہیں۔ (بخاری) یعنی کفر کی حالت میں قیدی بن کر پابجولاں آتے ہیں پھر مسلمان ہو جاتے ہیں اور جنت میں داخل ہوتے ہیں تو گویا جنت کے لئے باندھ باندھ کر لائے جاتے ہیں۔

حدیث قدسی ۸: حضرت جندب بن عبداللہؓ سے روایت ہے، ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص زخمی ہو گیا تھا، اس نے زخموں کی تکلیف سے گھبرا کر اپنا ہاتھ چھری سے کاٹ دیا تو اس کا خون بند نہیں ہوا، یہاں تک کہ مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی جان پر جلدی کی میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔

حضرت مولانا مفتی
محمد نعیم دامت برکاتہم

تنہا نماز پڑھنے کا طریقہ

(گزشتہ سے پیوستہ) مثلاً: ''اِنَّـآ اَعْطَیْنٰـکَ الْکَوْثَرَ o فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ o اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ o'' پھر اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع کے لئے جھکیں، یہاں تک کہ کمر اور کولہے ایک سیدھ میں آ جائیں، ہتھیلیوں سے دونوں گھٹنوں کو پکڑ لیں اور نگاہ دونوں پیروں پر رکھیں اور تین مرتبہ ''سبحان ربی العظیم'' پڑھیں۔ پھر ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جائیں اسے قومہ کہتے ہیں اور ''ربنا لک الحمد'' پڑھیں، نگاہ سجدے کی جگہ پر ہو، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے گھٹنے اور دونوں ہاتھ، پیشانی اور ناک زمین پر رکھیں اور جسم کا پچھلا حصہ اٹھا ہوا ہو، پہلے گھٹنے زمین پر رکھیں اور پھر دونوں ہتھیلیاں اس طرح رکھیں کہ کہنیاں زمین سے اوپر اٹھی ہوئی ہوں اور بدن سے جدا اور علیحدہ ہوں، پھر چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان ہو، پیشانی اور ناک دونوں زمین پر لگی ہوئی ہوں، دونوں پیروں کی تمام انگلیاں زمین پر قائم ہوں اور ان کا رُخ قبلہ کی طرف ہو اس ہیئت کو سجدہ کہتے ہیں (معذور اور مریض آدمی جس طرح بسہولت ممکن ہو سجدہ کر سکتا ہے) سجدے میں تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھیں، پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوزانو ہو کر بیٹھ جائیں اور سیدھے پیر کی انگلیاں قبلہ رُخ رکھیں، اسے جلسہ کہتے ہیں۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کریں، اس میں بھی تین مرتبہ ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھیں، اس کے ساتھ پہلی رکعت مکمل ہوئی، اب اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسری رکعت کے لئے اس طرح اٹھیں کہ پہلے چہرہ اٹھائیں، پھر دونوں ہاتھ، پھر دونوں گھٹنے اور بغیر بیٹھے ہوئے دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ دوسری رکعت میں پوری بسم اللہ، سورۂ فاتحہ اور کوئی سورت (مثلاً: قل ھو اللہ احد) پڑھ کر رکوع کریں، پھر قومہ، پھر سجدہ، پھر جلسہ، پھر دوسرا سجدہ۔ اس کے بعد سیدھے بیٹھ جائیں اس طرح دو رکعت کے بعد بیٹھنے کو قعدہ کہتے ہیں، اگر نماز دو رکعت والی ہے تو اسے ہی قعدہ اخیرہ کہتے ہیں، جس میں التحیات پڑھنے کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔ اگر نماز تین رکعات والی ہے یا چار رکعات والی ہے تو یہ قعدہ اولیٰ کہلاتا ہے جو کہ واجب ہے اور اس میں التحیات پڑھنے کے بعد تیسری رکعت پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں قعدہ میں بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ الٹے پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں، سیدھے پیر کو کھڑا کر کے اس کی انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھیں دونوں ہتھیلیوں کو دونوں رانوں پر رکھیں اور ہاتھوں کی انگلیوں کو قدرتی (اصلی) حالت میں رکھیں تاکہ اس کے سرے قبلے کی طرف رہیں اور نظر اپنی گود پر رکھیں۔ (جاری ہے)

اداریہ

محمد اعجاز مصطفیٰ

قومی اسمبلی کا مستحسن اقدام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

میاں محمد نواز شریف صاحب آج پیشیوں پر پیشیاں بھگت رہے ہیں، خود بھی پریشان ہیں، ان کی بیٹی، داماد اور ان کی پارٹی بھی پریشان ہے، ان کو سمجھ نہیں آ رہا کہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے، بلکہ ان کی زبان سے نکلا ہوا جملہ آج بچے بچے کی زبان پر ہے کہ ''مجھے کیوں نکالا؟'' ہماری دانست میں ایک ہی بات آتی ہے کہ میاں صاحب نے مسلمانوں کو چھوڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی قادیانیوں سے راہ و رسم اور یارانہ نہ صرف یہ کہ زیادہ بڑھالیا بلکہ ان کے آقاؤں کے اشاروں پر چلنا اور عمل بھی شروع کر دیا، جس کی نحوست یہ ہے کہ اپنی حکومت ہونے کے باوجود سب پریشان اور غیر مطمئن ہیں۔

قرآن کریم میں غور کریں تو ایک بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی قسم کا طعن اور آپ کی توہین کو کبھی برداشت نہیں کیا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں اور توہین کرنے والوں کو دنیا میں ہی عبرت کا سامان بنا دیا۔ اسی طرح قریب زمانے میں ہندو پاک کی تاریخ میں جن لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے تھوڑا سا بھی کردار ادا کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دنیا میں ان کو عزتیں اور عظمتیں عطا فرمائیں اور جن لوگوں نے اس کے برعکس کردار ادا کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں عبرت کا سامان بنا دیا۔ اس کی کئی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔

میاں صاحب نے قادیانیوں کو اپنا بھائی کہا، اقتدار میں رہتے ہوئے انہوں نے قادیانیوں کو خوش کرنے کے لئے قائد اعظم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نام منسوب کر دیا اور اس کے بعد انہیں کے اشاروں پر ختم نبوت کے حلف نامہ کو تبدیل کیا گیا، جس کی نحوست سے آج وہ پریشان ہیں۔ اچھا ہوا کہ محترم جناب کیپٹن ریٹائرڈ صفدر صاحب نے قومی اسمبلی میں درج ذیل قرارداد جمع کرا کے اپنے سسر کی غلطیوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی کوشش کی:

''قرارداد

بعنوان: نام تبدیلی شعبہ فزکس قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد

ایوان کے معزز اراکین کی متفقہ رائے ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان جس کی بنیاد دو قومی نظریے پر رکھی گئی اور متفقہ آئین ۱۹۷۳ء سے ریاست پاکستان کے نظام پارلیمنٹ کے زیر نگرانی چلایا جا رہا ہے اور اس پارلیمان کو اختیار ہے کہ وہ اتفاق رائے سے ملک میں قانون سازی کے عمل کو جاری رکھے۔ آج اس پارلیمان کے اراکین جنہوں نے قرارداد پر دستخط کر کے ایک مسئلے کی طرف توجہ دلائی

ہے کہ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ فزکس کا نام مشہور اور معروف سائنس دان کے نام سے منسوب کیا جائے۔ ابوالفتح عبدالرحمن منصور الخزینی، یہ دنیا میں مسلمانوں کے سب سے بڑے فزکس کے سائنس دان تھے، تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جائے کہ اس شخص نے سب سے پہلے سائنس کی دنیا میں اپنے استاد البیرونی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فزکس کی دنیا میں حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے اور پوری یورپ دنیا نے اس مسلمان سائنس دان سے فائدہ حاصل کیا۔

دستخط: کیپٹن (ر) محمد صفدر، نذیر احمد بگھیو، انجینئر عثمان خان ترکئی، گلزار خان، ڈاکٹر نکہت شکیل خان، انجینئر حامد الحق خلیل، زہرا ودود فاطمی، ملک محمد عامر ڈوگر، مولوی آغا محمد، خلیل، سیما محی الدین جمیلی، عامرہ خان، ڈاکٹر محمد اظہر خان جدون، ثمن سلطانہ جعفری، رانا شمیم احمد خان، طاہرہ اورنگزیب، میر اعجاز حسین جاکھرانی، خواجہ سہیل منصور، مولانا قمر الدین، اراکین قومی اسمبلی۔‘‘

اور قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ فزکس کو ابوالفتح عبدالرحمن منصور الخزینی کے نام منسوب کرنے کی قرارداد پاس کی۔ اس موقع پر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابرین نے درج ذیل خبر کے ذریعے قومی اسمبلی کے اراکین کو مبارک باد دی:

’’کراچی (پ ر) قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ فزکس کا نام تبدیل کرنے اور مشہور و معروف مسلم سائنس دان ابوالفتح عبدالرحمن منصور الخازنی کے نام سے منسوب کرنے کے خوش آئند اقدام کا خیر مقدم کرتے ہوئے ہم معزز اراکین پارلیمنٹ، حزب اقتدار اور حزب اختلاف کے عزت مآب ممبران اور پوری قوم کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ان جذبات کا اظہار عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، نائب امیر مرکزیہ مولانا خواجہ عزیز احمد، مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی، مولانا عزیز الرحمن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مولانا قاضی احسان احمد و دیگر نے اپنے مشترکہ اخباری بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے پاکستانی عوام کے زبردست احتجاج اور پُرزور مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے قابل تعریف قدم اٹھایا ہے جس کو بہرحال سراہا جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ اس قرارداد کو پیش کرنے والے ارکان قومی اسمبلی خاص طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں، جنہوں نے خصوصی دلچسپی لے کر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔‘‘ (روزنامہ جنگ کراچی، ۳۰؍مئی ۲۰۱۸ء)

ہم پوری قومی اسمبلی کو اس مستحسن اقدام پر مبارک باد دیتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آخرت میں ہم سب کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائیں۔ اب یہ عبدالرحمن منصور الخزینی کون ہیں؟ ان کے کیا حالات ہیں؟ اس کے لئے جناب غلام نبی صاحب کا مضمون نقل کیا جاتا ہے جو روزنامہ اسلام میں ’’قائداعظم یونیورسٹی شعبہ فزکس کے نام دوبارہ تبدیلی‘‘ کے عنوان سے چھپا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

’’عبدالرحمن الخازن یا الخزینی سلجوق دور حکومت میں ترکمانستان کے علاقے مرو میں پانچویں صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوئے۔ مستند تاریخ پیدائش محفوظ نہیں، تاہم تاریخ وفات ۵۵۰ھ/۱۱۵۵ء بتائی جاتی ہے۔ آپ کی کنیت ابوالفتح تھی۔ آپ کے والد اصلاً رومی تھے۔ سلجوقی اور بیزنطینی جنگ کے دوران مسلمانوں کے قیدی بن گئے۔ جس کے بعد انہوں نے اسلام قبول کر کے اپنا نام منصور رکھا اور مسلمانوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ کہا جاتا ہے ان کے والد شاہی مکتبہ کے خازن خاص علی المروزی کے زیر کفالت رہے۔ جہاں انہوں نے شادی کی، شادی سے ان کے ہاں عبدالرحمن الخازن پیدا ہوئے۔ عبدالرحمن الخازن کے والد بچپن میں فوت ہوگئے، جس کے بعد عبدالرحمن اپنی والدہ اور علی المروزی کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے۔ علی المروزی نے عبدالرحمن کی تعلیم و تربیت کا خوب خیال رکھا، انہیں شاہی مکتبہ لے کر جاتے جہاں سے عبدالرحمن الخازن کو فلسفہ اور دیگر علوم کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ علی المروزی خازن شاہی مکتبہ سے اس نسبت کی بناء پر لوگ آپ کو عبدالرحمن الخازن کے نام کے ساتھ پکارنے لگے۔ بعض لوگ آپ کو خازن المعارف کے لقب سے بھی پکارتے تھے۔

عبدالرحمٰن الخازن زمانہ طالب علمی ہی سے لائق تھے۔ مرو شہر کے بڑے بڑے اہل علم سے فیض حاصل کیا۔ ریاضیات، فلکیات، فلسفہ اور علوم طبعیات میں مہارت حاصل کی۔ بعدازاں دیگر شہروں کی طرف بھی تحصیل علم کے لئے رخ کیا۔ یہ دور ابن سینا، البیرونی، ابن الہیثم، الفردوسی، ناصر خسرو، غزالی، طوسی اور عمر خیام جیسے بلند پایہ ماہر اہل علم کا تھا۔ چنانچہ آپ نے ان مشہور علماء کرام کی فکر سے اپنی فکر کو پروان چڑھایا۔ عمر خیام سے بھی فیض حاصل کیا۔ بعدازاں آپ عراق کے شہر سنجار چلے گئے۔ جہاں ایک تجربہ گاہ قائم کی۔ ۹ سال کے طویل تجربے کے بعد آپ نے علم فلکیات پر ایک ضخیم کتاب ''الزیج المعتبر السنجر'' کے نام سے لکھی، جو آج بھی ماہرین فلکیات کے ہاں بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کتاب سے زیادہ آپ کی شہرت کا اصل سبب علوم طبعیات اور دیگر سائنسی علوم پر مشتمل شاندار کتاب ''میزان الحکمت'' بنی۔ اس کتاب میں آپ نے اپنے علم اور تجربات کی روشنی میں میکانیات، علم مائعات اور اجرام فلکی پر مشتمل بے پناہ سائنسی تجربات کا خزانہ دیا۔

عبدالرحمٰن الخازن وہ پہلا مسلمان سائنس دان ہے جس نے ۲۸۷ قبل مسیح کے مشہور یونانی ریاضی دان ارشمیدس کے قانون کہ ''کسی ٹھوس شے کو کسی مائع کے اندر پورے طور پر ڈبو دیا جائے تو اس شے کے وزن میں کمی آ جاتی ہے اور یہ کمی اس شے کے مساوی الحجم مائع کے وزن کے برابر ہوتی ہے:'' کو نامکمل قانون بتاتے ہوئے کہا کہ ''مائع چیزوں کے ساتھ ساتھ ہوا میں بھی کثافت، وزن اور درجہ حرارت ہوتا ہے۔'' آپ ہی نے پہلی بار تجربہ کر کے یہ بتایا کہ ہوا میں موجود آبجیکٹس (Objects) زمین کو کھینچ نہیں کرتے۔

دنیا کی بددیانتی دیکھئے کہ دنیا بھر میں سائنسی کتابوں میں ٹورشیلی نامی اٹالین سائنس دان کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہ پہلا شخص تھا جس نے ہوا کی قدر و کثافت پر بحث کی اور تجربات کئے۔ حالانکہ دنیا میں سب سے پہلے یہ کارنامہ مسلم سائنس داں عبدالرحمٰن الخازن نے سرانجام دیا۔ آپ نے اپنی لیبارٹری میں تجربات کر کے دیگر بہت سارے طبعیاتی مواد کی کثافت کے بارے سائنسی اکتشافات کئے۔ پہلی بار دنیا میں واٹر یونٹ کو سینٹی میٹر میں بتایا۔ جسے علوم طبعیات کے تمام سائنس دان آج تک استعمال کر رہے ہیں۔ عبدالرحمٰن الخازن دنیا کے پہلے سائنس داں تھے جنہوں نے ۲۲ کے قریب سولڈ، لیکوئڈ اور گیس میٹریلز کو دریافت کر کے نتائج پیش کیے، جنہیں آج بھی سائنس دان سائنسی تجربات میں سامنے رکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ آپ نے ہوا اور مائع چیزوں میں اجسام کی کثافت اور وزن کی پہچان کے لئے سائنسی آلات بھی ایجاد کئے۔ جن کی بنیاد پر جدید ماڈرن سائنسی دور کے آلات ایجاد کئے گئے۔

عبدالرحمٰن الخازن کی سائنسی خدمات کا اندازہ یقیناً ان کی کتاب ''میزان الحکمت'' سے اچھی طرح لگایا جا سکتا ہے، جو آج بھی دنیا بھر کے سائنس دانوں کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب پہلی بار متحدہ ہندوستان سے ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی۔ اس سے قبل انیسویں صدی کے آخر میں روس، جرمنی اور دیگر ملکوں سے انگریز سائنس دانوں نے اس کتاب کے کچھ حصے مختلف زبانوں میں ترجمہ کر کے شائع کئے۔ بعدازاں یہ کتاب ۱۹۴۷ء میں بیروت سے بھی شائع ہوئی۔

الخزینی کی سائنسی خدمات کی وجہ سے دنیائے فزکس میں آپ کو مرجع مانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں قائداعظم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس کو اب عبدالرحمٰن الخزینی کے نام سے موسوم کرنے کے لئے قومی اسمبلی میں کیپٹن (ر) صفدر اور دیگر اراکین اسمبلی کی جانب سے ایک قرارداد پاس کروائی گئی ہے۔ اس سے قبل دسمبر ۲۰۱۶ء میں میاں نواز شریف کے حکم پر قائداعظم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس کو ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نام کے ساتھ موسوم کر دیا گیا تھا۔ جس پر پورے پاکستان میں احتجاج کیا گیا کہ ایک اسلامی ملک میں ختم نبوت کے منکر کے نام پر کیسے ایک یونیورسٹی کے شعبے کو موسوم کیا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالسلام کو اگرچہ نوبل انعام دیا گیا، مگر تاریخی حقیقت یہ ہے کہ یہ

نوبل انعام انہیں مخصوص ایجنڈے کے تحت دیا گیا۔ جس کا اقرار ان کی زندگی کے حالات کو سامنے رکھ کر لگایا جا سکتا ہے کہ کس طرح انہوں نے نوبل انعام کے لئے امریکا اور اسرائیل کے ساتھ روابط قائم کئے اور پاکستان مخالف کیا کیا خدمات ان کے لئے سرانجام دیں۔

غور طلب بات یہ بھی ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام نے پاکستان میں سائنسی خدمات کے لئے کیا کارنامے سرانجام دیئے؟ وہ تو ملک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر چلے گئے۔ حالانکہ جس وقت انہوں نے ملک کو چھوڑا اس وقت ملک کو ان کی ضرورت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ پاکستان چھوڑنے کے بعد ڈاکٹر عبدالسلام قادیانیت کے مبلغ بن گئے اور اپنی ساری زندگی قادیانیت کی تبلیغ کی نذر کر دی۔ کیا نوبل انعام نے پاکستان کو سائنسی میدان میں کوئی فائدہ پہنچایا؟ ہرگز نہیں۔ بہرحال قومی اسمبلی کی جانب سے اچھا فیصلہ کیا گیا جو داغ اسمبلی پر میاں نواز شریف نے لگایا اسے قومی اسمبلی نے اب صاف کر دیا ہے۔ قومی اسمبلی کی قرارداد پر اب فوری عمل کرنا چاہئے، بلکہ اس عمل کو دیگر یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں تک پھیلانا چاہئے کہ مسلم سائنس دانوں اور اسلامی تاریخ کے عظیم راہنماؤں کے نام پر اداروں اور شعبوں کے نام رکھے جائیں تاکہ ہماری نسل تو اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کی تاریخ یاد کر کے ان کی طرح عالم اسلام اور ملک پاکستان کے لئے کارہائے نمایاں سرانجام دے سکے۔" (روزنامہ اسلام کراچی، ۵/مئی ۲۰۱۸ء)

ہم آنے والی حکومتوں سے بھی کہیں گے کہ قادیانی اور ان کے آقاؤں سے ہوشیار رہیں، یہ ان کا آخری حربہ نہیں وہ آگے بھی اس طرح کے مطالبات اور اپنی خواہشات سامنے لاتے رہیں گے۔ کامیاب اور عزت دار ہوگا وہ شخص جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس اور عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ کرتا رہے گا اور ناکام و نامراد ہوگا وہ شخص جو قادیانیوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے ہاتھ ملائے گا یا ان کے اشارۂ ابرو پر چلے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی توفیق عطا فرمائے اور دین دشمنوں اور ملک دشمنوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

انوار کا عالم

انوار کا عالم ہے فضا جھوم رہی ہے
خوش ہو کے مدینہ کی ہوا جھوم رہی ہے

فاراں کی بلندی سے جو برسی تھی جہاں پر
طیبہ میں وہ رحمت کی گھٹا جھوم رہی ہے

سن سن کے دہل جاتے ہیں باطل کے کلیجے
ہر سمت اذانوں کی صدا جھوم رہی ہے

آنکھوں میں لگالوں جو ملے خاکِ مدینہ
اس خاک میں آقا ﷺ کی ادا جھوم رہی ہے

ناظرؔ وہ مدرسہ بھی گلستاں ہے نبی ﷺ کا
ہر سُو جہاں قرآں کی ضیا جھوم رہی ہے

مولانا نذیر اللہ ناظرؔ، لکھیم پوری

روزہ کے قضا و کفارہ کے مسائل

مولانا ندیم الواجدی

روزہ کن چیزوں سے فاسد ہوتا ہے:

بہت سی صورتیں ایسی ہیں جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، بعض صورتوں میں قضا واجب ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں، قضا کا مفہوم یہ ہے کہ رمضان گزرنے کے بعد ایک روزے کے بدلے میں ایک روزہ قضا کی نیت سے رکھا جائے۔ قضا روزوں کا مسلسل رکھنا ضروری نہیں ہے، اختیار ہے جب چاہے رکھے لیکن بہتر یہ ہے قضا روزوں کی ادائیگی میں جلدی کرے، کیوں کہ موت کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، جتنی جلدی ادائیگی ہوجائے اتنا ہی بہتر ہے، قضا روزوں میں ترتیب بھی ضروری نہیں ہے اور نہ لگاتار رکھنے ضروری ہیں (علم الفقہ:۳۴۳ جواهر الفقه:۱/۱۸۳) فوت شدہ روزے کی قضا کے لئے دن تاریخ متعین کرنا تو ضروری نہیں ہے بلکہ جتنے روزے قضا ہوئے ہوں اتنے روزے رکھ لینے چاہئیں، البتہ اگر کئی سالوں کے روزے باقی ہوں تو ادا کرتے ہوئے سال کا تعین کرلینا ضروری ہے۔ (بہشتی زیور: ۳/۷) اگر کسی وجہ سے سال گذشتہ کے رمضان کے روزے نہیں رکھے جاسکے تھے کہ دوسرا رمضان آگیا تو اب دوسرے رمضان کے فرض روزے پہلے ادا کرنے چاہئیں، قضا بعد میں رکھے جائیں۔ (شرح الہدایہ:۲/۳۰۲)

روزہ فاسد ہوگا صرف قضا واجب ہوگی:

ذیل میں کچھ ایسے مسائل درج ہیں، جن میں روزہ تو فاسد ہوجاتا ہے، مگر اس کی قضا کی جاتی ہے:

(۱) ہر وہ چیز جس کو غذا، دوا یا کسی فائدے کے لئے استعمال نہ کیا جاتا ہو جیسے پتھر، مٹی وغیرہ اس کے کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لیکن صرف قضا واجب ہوتی ہے۔

(۲) روزے کی حالت میں اگربتی، لوبان وغیرہ کا دھواں جان بوجھ کر ناک میں داخل کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، صرف قضا واجب ہوگی۔ (فتاویٰ شامی:۳/۳۶۶)

(۳) روزہ یاد تھا مگر وضو کرتے ہوئے یا غسل کرتے ہوئے ویسے ہی پانی ناک میں ڈالتے ہوئے بلا قصد و اختیار پانی حلق میں چلا گیا تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا، اسی لئے غسل اور وضو کرتے ہوئے روزے کی حالت میں غرغرہ سے منع کیا گیا ہے کیوں کہ اس میں پانی کے حلق میں چلے جانے کا اندیشہ ہے، اگر غرغرہ کر رہا تھا کہ پانی حلق میں نیچے تک داخل ہوگیا تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۰۲)

(۴) سحری کا وقت سمجھ کر صبح صادق کے بعد کھانے پینے سے روزہ فاسد ہوجائے گا۔ (فتاویٰ شامی:۳/۳۷۵) اسی طرح اگر کسی شخص نے غروب آفتاب سے پہلے اس غلط فہمی میں مبتلا ہوکر کہ آفتاب غروب ہوچکا ہے کچھ کھا پی لیا تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم:۶/۴۳۶)

(۵) اگر کسی شخص کے دانتوں میں گوشت کا ریشہ یا روٹی وغیرہ کا ریزہ لگا ہوا ہو اور وہ چنے کی مقدار سے بڑا ہو اس نے وہ ریزہ یا ریشہ دانتوں سے نکالے بغیر نگل لیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر کسی نے منہ سے باہر نکالا پھر نگلا تو اب وہ ریزہ یا ریشہ چنے کے برابر ہو یا نہ ہو ہر حالت میں روزہ فاسد ہوجائے گا۔

(کتاب الفقه علی المذاهب الاربعه:۱/۳۳۹)

(۶) دانتوں سے نکل کر اتنا خون یا پیپ حلق کے اندر چلی جائے جو تھوک کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور برابر یا زیادہ ہونے کی پہچان یہ ہے کہ تھوک میں اس کی آمیزش صاف نظر آجائے اور منہ میں اس کا ذائقہ محسوس ہونے لگے تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۰۸) اگر روزے کی حالت میں مسوڑھوں کا خون یا پیپ وغیرہ حلق کے اندر چلی گئی تو اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے سونے کی حالت میں حلق کے اندر گئی ہو یا بیداری کی حالت میں (فتاویٰ دارالعلوم:۶/۴۱۳) روزے کی حالت میں داڑھ دانت نہ نکلوائے تو بہتر ہے، لیکن اگر درد کی شدت کے باعث نکلوانے کی ضرورت پیش آجائے تو یہ احتیاط کرنی چاہئے کہ خون حلق کے اندر نہ جائے، کیوں کہ اگر تھوک کے برابر یا زیادہ مقدار میں خون حلق کے اندر چلا گیا یا خون کا ذائقہ حلق کے اندر محسوس ہوا تو روزہ فاسد ہوجائے گا۔ (احسن الفتاویٰ:۴/۴۰۷)

(۷) ناک میں دوا یا تیل ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا، خواہ کسی مجبوری ہی کی وجہ سے کیوں نہ ڈالے (فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۰۴) البتہ کان کے متعلق پہلے تو یہی فتویٰ دیا جاتا تھا کہ اگر کان میں دوا یا تیل وغیرہ ڈالا جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے لیکن

اب جدید طبی تحقیق کی وجہ سے بہت سے علماء یہ فتویٰ دینے لگے ہیں کہ کان میں دوا وغیرہ ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا الا یہ کہ کسی شخص کے کان کا پردہ پھٹا ہوا ہو (ملاحظہ کیجئے: ماہنامہ البلاغ کراچی، دسمبر ۲۰۰۱ء، ص:۴۹) لیکن احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک مستند ادارے اس طرح کا فتویٰ نہ دیں، اس وقت تک پرانے فتوے پر ہی عمل کیا جائے کہ کان میں دوا وغیرہ ڈالنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۰۴)

(۸) سانس کے ذریعے کوئی ایسی چیز کھینچنا کہ وہ جوف دماغ میں یقینی طور پر پہنچ جائے جیسے وکس، انہیلر، سنتھول، ٹنکچر بینزائن وغیرہ یا خشک سنوف وغیرہ ناک کے ذریعے کھینچنا، یا ایسی آکسیجن دینا جس میں ادویات کے اجزاء شامل ہوں۔ (خیر الفتاویٰ:۴/۹۸) یہی حکم روزے کی حالت میں حقہ، بیڑی اور سگریٹ کا ہے، کیوں کہ ان میں بھی دھواں اندر کی طرف کھینچ کر باہر چھوڑا جاتا ہے، غالب امکان یہی ہے کہ اس طرح کرنے سے دھواں اندر ضرور جائے گا، اس سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی، لیکن اگر کسی شخص نے مفید سمجھ کر اور بھوک کے تدارک کے طور پر سگریٹ وغیرہ پی تو نہ صرف قضا واجب ہوگی بلکہ کفارہ بھی دینا پڑے گا۔ (فتاویٰ دار العلوم:۶/۴۱۹)

(۹) بیوی کے ساتھ بوس وکنار کرتے ہوئے یا خود لذتی کی وجہ سے انزال ہوجائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۷/۲۶۲، خیر الفتاویٰ: ۴/۱۶،۲۶) یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ صرف سوچنے یا خیال کرنے سے یا فحش تصاویر وغیرہ دیکھنے سے انزال ہونے کی صورت میں روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

(۱۰) بیماری یا کسی دوسری مجبوری کی وجہ سے روزہ توڑا جاسکتا ہے، اس صورت میں صرف قضا واجب ہوگی، مثلاً کوئی شخص تیز بخار میں مبتلا تھا یا کسی شخص کو اس قدر پیاس محسوس ہوئی کہ معاملہ برداشت سے باہر ہوگیا تو روزہ توڑنے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم: ۶/۴۲۶) اگر کسی بیمار نے روزہ رکھ لیا بعد میں کسی علامت سے تجربے سے یا کسی ماہر مسلمان ڈاکٹر کے کہنے سے پتہ چلا کہ اگر روزہ رہا تو مرض بڑھ جائے گا تو اس صورت میں روزہ توڑا جاسکتا ہے، یہاں بھی قضا واجب ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۲۰۷) (۲) کسی حاملہ کو حمل ضائع ہونے یا اسے نقصان پہنچنے کا ڈر ہو یا دودھ پلانے والی عورت کو بچے کی ہلاکت کا خوف ہو تو ایسی عورتیں بھی روزہ توڑ سکتی ہیں، ان پر بھی قضا واجب ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۴۴۹)

(۱۱) مجبوری کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی شخص کو جان سے مارنے کی دھمکی دی جائے یا یہ کہا جائے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے جائیں گے، یا کوئی بہت بڑا نقصان پہنچادیا جائے گا ایسی صورت میں روزہ توڑا جاسکتا ہے اس کی بھی صرف قضا واجب ہوگی اور روزہ توڑنے کا کوئی گناہ نہ ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۰۲)

(۱۲) اگر کوئی شخص رمضان کے مہینے میں بے ہوش رہا تو جس دن بے ہوشی طاری ہوئی اس دن کے علاوہ تمام دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے، پہلے دن کا روزہ صحیح مانا جائے گا، پورے رمضان بے ہوش رہا تب بھی یہی حکم ہے ہوش میں آنے کے بعد تمام مہینے کے روزوں کی قضا ضروری ہے، البتہ پاگل کا حکم دوسرا ہے اگر کوئی شخص رمضان کے پورے مہینے جنون میں مبتلا رہا تو اس پر قضا واجب نہیں ہے، لیکن اگر کچھ دن صحیح رہا اور کچھ دن جنون میں گزرے تو تمام فوت شدہ روزوں کی قضا رکھنی ہوگی، جتنے روزے جنون کی وجہ سے گئے ہیں ان کی بھی قضا رکھی جائے گی۔ (علم الفقہ:۷/۳۲)

(۱۳) دل کا مریض اگر درد کی گولی زبان کے نیچے رکھ لے اور اس کا اثر تھوک میں شامل ہوکر حلق کے اندر چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اگر حلق کے اندر نہیں گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا اگر چہ وہ دوا زبان کے مسامات میں جذب ہوکر درد کو زائل کردے۔

(۱۴) آج کل رحم وغیرہ کی صفائی کے لئے عورت کی شرمگاہ میں آلات وغیرہ ڈالے جاتے ہیں، اگر وہ آلات خشک ہوں تو ان کے داخل کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا، لیکن اگر وہ تر ہوں یا ان پر دوا وغیرہ لگی ہوئی ہو تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ (فتاویٰ عالمگیری:۱/۲۰۴) البتہ شرم گاہ میں دوا ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا تاہم قضا واجب ہوگی۔ (البحر الرائق:۲/۲۸۸)

(۱۵) کسی شخص کو خود بہ خود قے ہوئی غلطی سے وہ یہ سمجھا کہ اس قے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے، حالاں کہ اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، یہ سوچ کر اس نے کھانا پینا شروع کردیا تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ (فتاویٰ ہندیہ:۱/۲۰۶)

ایک قابل توجہ مسئلہ:

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر کسی شخص کا روزہ چھوٹ جائے یا فاسد ہوجائے تو قضا خود ہی کرے گا، کسی دوسرے شخص کے ذریعے قضا کرانا جائز نہیں ہے اس سلسلے میں شریعت کا یہ اصول ہے کہ عبادات بدنیہ مثلاً نماز، روزہ اگر فوت ہوجائیں تو اس میں نیابت کی گنجائش نہیں ہے، خود ہی قضا کرنی ضروری ہوگی، البتہ مالی عبادتوں میں جیسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ دوسرا بھی ادا کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ شامی:۴/۱۳)

قضاء کے کچھ مسائل:

اگر کوئی مسافر دن ڈھلے مقیم ہوجائے، کسی عورت کا حیض ونفاس دن کے کسی بھی حصے میں بند ہوجائے، کوئی بیمار دن ڈھلے صحت یاب ہوجائے، کسی نے مجبوری کی وجہ سے روزہ توڑ ڈالا ہو اور دن ڈھلنے کے بعد اس کی مجبوری دور ہوگئی ہو تو ان سب کو چاہیے کہ وہ روزہ داروں کی طرح باقی دن گزاریں اور

رمضان کے بعد اس دن کے روزے کی قضا کریں، البتہ اگر کوئی نابالغ بچہ دن میں بالغ ہوگیا ہو یا کوئی کافر دن میں اسلام لے آیا ہو تو ان دونوں پر قضا واجب نہیں ہوگی کیوں کہ ان پر یہ روزہ فرض ہی نہیں ہوا تھا۔

جن صورتوں میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں:

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ رمضان کا روزہ ایک لازمی فرض ہے، اگر کسی شخص نے جس پر رمضان کے روزے فرض تھے جان بوجھ کر روزے کی حالت میں کوئی غذا کھالی یا پانی پی لیا، یا جماع کر لیا تو اس سے روزہ بھی فاسد ہو جائے گا، قضا بھی ضروری ہوگی اور کفارہ بھی دینا ہوگا، اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے کہ بلاعذر رمضان کا روزہ چھوڑنے والا شدید وعید کا مستحق ہے، ایک حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کوئی شخص جان بوجھ کر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دے تو پھر وہ پوری عمر بھی روزے رکھے تب بھی اس ایک روزے کا بدل نہیں ہوسکتا (بخاری: ۲/۲۸۶، ابوداود: ۱/۲۹۷، رقم الحدیث: ۲۳۹۶) اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رمضان کے روزے کی کتنی اہمیت اور فضیلت ہے، ظاہر ہے جس کام کے کرنے پر ثواب زیادہ ہوگا اس کے نہ کرنے پر عذاب بھی اتنا ہی ہوگا، اور اگر رکھ کر توڑ دیا تو یہ انتہائی قابل مذمت ہے اس کی قیامت کے دن کتنی سزا ہوگی اور کیا ہوگی یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، لیکن دنیا میں بھی اس کی سزا اتنی ہونی چاہئے کہ وہ خود بھی روزہ توڑنے کی جرأت نہ کر سکے اور دوسروں کو بھی جسارت نہ ہو، اسی لئے جان بوجھ کر روزہ توڑنے والوں کے لئے قضا بھی ہے اور کفارے کی سزا بھی ہے۔

کفارہ کیا ہے؟

روزے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک روزے کے بدلے میں ایک غلام آزاد کرے اگر کسی شخص کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ وہ غلام خرید کر آزاد کر سکے یا کسی ایسی جگہ رہتا ہو جہاں غلاموں کی خرید وفروخت نہ ہوتی ہو تو ایسے شخص کے لئے ساٹھ روزے رکھنا واجب ہے، اگر کسی وجہ سے ساٹھ روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا واجب ہے، ساٹھ روزوں میں شرط یہ ہے کہ ان میں تسلسل ہو، بیچ میں کوئی انقطاع نہ ہو، یعنی کوئی روزہ ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہوگیا تو تمام ساٹھ کے ساٹھ روزے دوبارہ رکھنے ہوں گے، ہاں اگر کسی عورت کو حیض آجائے تو یہ ناغہ معاف ہوگا حیض کے ایام پورے ہونے کے بعد باقی روزے پورے کئے جائیں، اگر کوئی شخص کفارے کی تینوں صورتوں پر قادر ہو یعنی غلام بھی آزاد کر سکتا ہو، ساٹھ روزے بھی رکھ سکتا ہو اور ساٹھ مسکینوں کو کھانا بھی کھلا سکتا ہو تو جو صورت اس کے لئے زیادہ سخت ہو وہ اختیار کی جائے اس لئے کہ کفارے کا مقصد سزا اور تنبیہ ہے، صاحب ''البحر الرائق'' نے لکھا ہے کہ اگر بادشاہ پر کفارہ واجب ہو جائے تو اسے ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں کیوں کہ اس کے لئے یہ عمل دشوار ہوگا، وہ غلام بھی آسانی کے ساتھ آزاد کر سکتا ہے اور ساٹھ مسکینوں کو بھی سہولت سے کھانا کھلا سکتا ہے، مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں یہ شرط ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے، چاہے ایک ہی دن دونوں وقت کھلادیں، چاہے دو دن دو وقت کھلا کر ایک دن پورا کر دیں، ایک وقت میں جن محتاجوں کو کھانا کھلایا ہے دوسرے وقت بھی ان ہی کو کھلانا ہوگا یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک وقت میں ساٹھ مسکینوں کو کھلایا اور دوسرے وقت میں دوسرے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دیا ہاں یہ ممکن ہے کہ ساٹھ روز تک ایک ہی مسکین کو کھانا کھلائے، یا ساٹھ دن نئے مسکین کو کھانا کھلائے، جن محتاجوں کو کھانا کھلائے ان کا بھوکا ہونا بھی ضروری ہے، پیٹ بھروں کو کھلانے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، کھانے کے بجائے دو وقت کے کھانے کے بہ قدر ساٹھ مسکینوں کو صدقہ بھی دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ایک ہی شخص کو ایک ہی روز ساٹھ مسکینوں کے دو وقت کے کھانے کے بقدر صدقہ دے دیا تو یہ صورت بھی صحیح نہیں ہے، جماع کی سزا اور بھی سخت ہے، اگر جماع کے علاوہ کسی اور سبب سے کفارہ واجب ہوا اور ابھی وہ ادا نہیں کر پایا تھا کہ دوسرا واجب ہوگیا تو ان دونوں کے لئے ایک ہی کفارہ کافی ہے، خواہ دونوں کفارے دو رمضان کے ہوں، لیکن اگر جماع سبب بنا ہے تو ہر روزے کا کفارہ الگ ہوگا۔ (علم الفقہ: ۲۴۴)

رمضان کا روزہ نہ چھوڑیں، نہ توڑیں:

رمضان کا روزہ ایک بڑا فرض بھی ہے، ایک اہم سعادت بھی ہے اور ایک عظیم نعمت بھی ہے، بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جو رمضان کا روزہ چھوڑ دیتے ہیں یا رکھ کر توڑ دیتے ہیں، اس طرح وہ فرض ترک کرنے کے گنہ گار تو ہوتے ہی ہیں، سعادت اور نعمت سے محروم رہنے کے سزاوار بھی ہو جاتے ہیں، بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ معمولی معمولی بیماریوں کی وجہ سے یا تھوڑے بہت مشقت کے کام کی وجہ سے روزہ چھوڑ دیتے ہیں، رمضان کے بعد کم ہی لوگوں کو یہ روزہ رکھنے کی توفیق میسر آتی ہے، اور اگر کسی نے قضا بھی کر لیا تو جو اجر وثواب رمضان کے روزے کا تھا وہ کہاں میسر ہوگا، اگر واقعی کوئی شرعی عذر ہے تو بے شک روزہ چھوڑ سکتے ہیں، لیکن جان بوجھ کر روزہ چھوڑنا سخت گناہ ہے اور رکھ کر توڑ دینا تو اس سے بھی بڑا گناہ ہے۔ کتنے ہی لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ زندگی کے دوسرے معاملات میں تو بڑے بہادر اور جفاکش نظر آتے ہیں لیکن جہاں روزوں کی بات آئی کم ہمتی کا شکار ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ وہ روزہ رکھ کر بھوک پیاس برداشت نہ کر سکیں گے اور بیمار پڑ جائیں گے، ان کا یہ خیال غلط ہوتا ہے، روزہ رکھ کر کوئی بیمار نہیں پڑتا، طب جدید تو یہ کہتی ہے

کہ روزہ انسانی صحت کے لئے ضروری ہے، اور چند گھنٹے خالی پیٹ رہ کر بہت سے ایسے جسمانی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں جو قیمتی سے قیمتی دواؤں سے حاصل نہیں ہوتے، ایسے لوگوں میں قوت ارادی کی کمی ہوتی ہے اور حوصلہ نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو بوڑھوں اور کم عمر بچوں سے سبق لینا چاہئے کہ وہ کس طرح روزہ رکھ رہے ہیں، بہت سے نوجوان تعلیم کا بہانہ بنا کر یا کھیلوں میں حصہ لینے کا عذر پیش کر کے روزہ ترک کردیتے ہیں کہ پڑھائی سخت ہے، روزے میں نہیں ہوپائے گی، یا امتحان کی تیاری روزے میں نہیں ہوپائے گی یہ صرف نفس کے بہانے ہیں، ان بہانوں سے روزہ معاف نہیں ہوسکتا، گرمی کے روزے تو بعض لوگوں کے لئے موت کے پیغام سے کم نہیں ہوتے، تصور ہی سے ان کی روح کانپ اٹھتی ہے، ان کا بس نہیں چلتا کہ وہ گرمی کے روزوں سے کس طرح پیچھا چھڑائیں، ان میں سے بعض افراد اس خیال سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں کہ سردی میں رکھ لیں گے، قضا تو آپ کرلیں گے، لیکن جان بوجھ کر روزے نہ رکھنے کا جو گناہ ہوگا اس کے بارے میں بھی سوچنا چاہئے، آج کل تو بڑی سہولتیں ہیں پنکھے، کولر، اے سی سب کچھ موجود ہے، اس وقت کا تصور کیجئے جب موسم بھی سخت ہوتا تھا اور موسم کی سختی سے بچاؤ کے وسائل بھی میسر نہیں تھے، لوگ سروں پر گیلے کپڑے رکھ کر، یا تربوز کے خول رکھ کر روزہ پورا کرتے تھے، اللہ کے نیک بندے تو حالت سفر میں بلکہ حالت جنگ میں بھی روزے نہیں ترک کرتے تھے، جب کہ شریعت نے سفر اور جنگ دونوں موقعوں پر روزہ نہ رکھنے کی سہولت دی ہے، لیکن وہ لوگ رخصت پر نہیں عزیمت پر عمل کرکے زیادہ سے زیادہ ثواب کمالینا چاہتے تھے، جب کہ آج کے لوگ روزہ چھوڑنے کے بہانے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔

مال دار آدمی یہ سوچتے ہیں کہ ہم روزہ نہیں رکھتے بلکہ فدیہ دیے دیں گے ہمیں ثواب مل جائے گا، غریبوں کا بھلا ہوجائے گا، یہ بڑی غلط فہمی ہے، ہٹے کٹے صحت مند لوگوں کے فدیہ دینے سے روزہ ادا نہیں ہوتا، یہ گنجائش تو انتہائی ضعیف لوگوں کے لئے ہے، غریبوں کے ساتھ اتنی ہی ہمدردی ہے تو انہیں فدیے کے بجائے امداد کیوں نہیں دیتے۔

شریعت طاقت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں کرتی، یہ ایک ایسا اصول ہے جو ہمیں تمام عبادات میں موجود ملتا ہے، روزہ رکھنے والوں کو بھی اگر واقعی کوئی عذر ہے تو روزہ چھوڑنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، فقہاء نے شرعی مجبوریوں کی تفصیلات بیان کردی ہیں، اگر ان میں سے کوئی مجبوری پیش آگئی ہے تو شریعت نے روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے، وہ شرعی اعذار حسب ذیل ہیں: (۱) بیماری (۲) سفر (۳) اکراہ (زبردستی) (۴) حمل (۵) ارضاع (دودھ پلانا) (۶) ناقابل برداشت بھوک پیاس (۷) حیض و نفاس (۸) بڑھاپا۔ ان میں سے کچھ اعذار کی تفصیل گزر چکی ہے، کچھ ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

خواتین کا روزہ:

خواتین کا روزہ بھی ایسا ہی ہے جیسے مردوں کا روزہ، البتہ ان کے ساتھ جو مستقل اعذار ہیں ان کی بنا پر شریعت نے ان کے لئے کچھ سہولتیں رکھی ہیں، خواتین ان سہولتوں سے فائدہ اٹھاسکتی ہیں، بعض صورتوں میں تو ان کے لئے روزہ رکھنا ہی جائز نہیں ہے، عورتیں اس کا بھی خیال رکھیں، ذیل میں عورتوں کے کچھ مخصوص مسائل درج ہیں۔

(۱) حیض کے دوران نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا درست نہیں ہے ان دونوں عبادتوں میں فرق یہ ہے کہ ان ایام کی نماز بالکل معاف ہے، جب کہ روزہ معاف نہیں ہے، رمضان کے بعد ایام حیض کے روزوں کی قضا کرنی ہوگی۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۲۰۷)

(۲) بچے کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں، نفاس والی عورت کے سلسلے میں بھی یہی حکم ہے کہ اس کی نماز تو معاف ہے، لیکن روزہ معاف نہیں ہے، پاک ہوکر فوت شدہ روزوں کی قضا رکھنی پڑے گی۔ (فتاویٰ شامی: ۱/۲۹۶)

(۳) روزہ رکھنے کے بعد دن میں کسی وقت حیض آگیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا بعد میں قضا کرے گی۔ (فتاویٰ شامی: ۱/۴۸۵)

(۴) اگر حائضہ عورت دن میں پاک ہوگئی تو اس کے لئے باقی تمام دن کھانا پینا درست نہیں ہے، روزہ داروں کی طرح رہنا واجب ہے، لیکن یہ روزہ نہیں ہوگا محض رمضان کے احترام کی وجہ سے اس کو کھانے پینے سے روکا گیا ہے۔ (بہشتی زیور: ۲/۶۱)

(۵) جو عورت حمل سے ہو اگر اس کو یہ خوف ہو کہ روزہ رکھنے سے اس کی صحت کو نقصان پہنچے گا یا بچے کو نقصان ہوگا تو اس کے لئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے، اگر کسی کو روزہ رکھنے کے بعد حمل کا احساس ہوا تب بھی روزہ توڑا جاسکتا ہے، دونوں صورتوں میں قضا ضروری ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۲۰۷)

(۶) اگر کوئی عورت بچے کو دودھ پلارہی ہو خواہ بچہ اس کا ہو یا کسی دوسرے کا ہو، اجرت پر پلارہی ہو یا بغیر اجرت کے، اس کے لئے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن اسے یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس حالت میں روزہ رکھنے سے اس کی صحت متاثر ہوگی یا نہیں، اور اس کے روزے رکھنے سے بچے کے دودھ میں کمی واقع ہوگی یا نہیں، اگر تجربے سے یا ڈاکٹر کے مشورے سے یہ بات سامنے آئے کہ دودھ پلانے کی حالت میں دونوں کو یا کسی ایک کو نقصان ہے تو روزہ چھوڑا جاسکتا ہے، بعد میں قضا ہوگی۔ (فتاویٰ شامی: ۳/۴۰۳)

☆☆..........☆☆

نئے حالات کے لئے تاریخ کا جائزہ ضروری

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

آج امت مسلمہ ایک نازک ترین دور سے گزر رہی ہے، حساس طبیعت لوگ شکست خوردگی اور مایوسی کی کیفیت سے دوچار ہیں، مایوسی کا یہ احساس اور ناامیدی کا ان پر یہ سایہ شاید اس وجہ سے ہے کہ وہ ماضی کے واقعات سے ناواقف اور گزشتہ حوادث سے لاعلم ہیں، البتہ جو لوگ اسلام کی تاریخ، ماضی میں مسلمانوں نے جو تکلیفیں برداشت کیں، ان کے خلاف دشمنوں نے جو سازشیں رچیں، صاحب عزیمت علماء اور مخلص قائدین نے ان سازشوں کو جس طرح بے نقاب اور ان فتنوں کا جس پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا اور ان کے شریعت پر عمل پیرا ہونے اور ہر عمل میں رب کی خوشنودی و رضامندی مدنظر رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بے سروسامانی اور وسائل کی کمیابی کے باوجود ان کو فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا، اس سے واقفیت رکھتے ہیں، ان کے لئے یہ صورت حال نہیں ہے، ان حالات سے نہ ان کی ہمتیں پست ہوئی ہیں، نہ ان کے عزائم میں کوئی کمی آئی ہے، نہ ان کے ارادے پر کوئی چیز اثر انداز ہوئی ہے بلکہ یہ واقعات ان کے اندر مزید خوداعتمادی پیدا کرنے، جوش و ولولہ بڑھانے، اسلامی تعلیمات پر اعتماد بحال کرنے کے کام کرتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان واقعات سے ان کے اس یقین کو اور تقویت حاصل ہوتی ہے۔

جب بھی مسلمانوں نے خطرات اور جنگوں کا صبر وتحمل، حکمت و تدبر، ملی اتحاد و اتفاق، ایمان و یقین اور گناہوں سے بچتے ہوئے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے ہوئے مقابلہ کیا، خدا نے ان کی مدد کی اور ان کو فتح حاصل ہوئی، اس طرح کا احساس انہی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگا جن کے پیش نظر مسلمانوں کی تاریخ کے فتح وشکست کے دونوں ادوار ہوں، پہلا دور جس میں عہد اول کے مسلمانوں نے شاندار فتوحات حاصل کیں اور بڑی وسیع وعریض اور مستحکم سلطنتیں قائم کیں، جن کی قوت ناقابل تسخیر، جن کی تہذیب قابل تقلید اور جن کا تمدن اس ترقی یافتہ دور میں بھی قابل تقلید نمونہ ہے، دوسرا دور جو آزمائش کا دور ہے جس میں مسلمانوں نے سخت ترین مراحل کا سامنا کیا اور سخت ترین آزمائشوں سے ان کو گزرنا پڑا اور ایک طویل عرصہ تک ان کو ظلم وستم کا نشانہ بننا پڑا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے اور شاید اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تبدیلی کا آغاز خود ہمارے اندر سے نہ ہوگا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی طویل تاریخ میں مختلف بحرانوں، فوجی اور فکری حملوں، ناکامیوں اور شکستوں سے گزرنا پڑا، لیکن یہ ناکامیاں اور شکستیں وقتی اور محدود پیمانہ پر ہوتی تھیں، اگر انہیں کسی ایک علاقہ میں شکست ہوئی تو دوسرے کسی نئے علاقہ میں غلبہ حاصل ہوا، اگر کوئی ایک علاقہ ان کے قبضہ اور کنٹرول سے نکلا تو دوسرا نیا علاقہ ان کے قبضہ میں آیا، مثال کے طور پر تاتاری حملہ کے بعد بغداد کا سقوط ہوا تو دوسری طرف سلطنت عثمانیہ قائم ہوئی، مشرق عربی میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تو ٹھیک اسی زمانہ میں برصغیر میں اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور قسطنطنیہ کی فتح اور اندلس کا سقوط ایک ساتھ عمل میں آیا، اس طرح فتح وشکست دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے۔

اسی طرح تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو جو بھی کامیابی ملی ہے وہ وقتی کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ جہد مسلسل کا ثمرہ اور طویل تحمل کا صلہ رہی ہے، قسطنطنیہ کی فتح کو لیجئے، دوچار نہیں گیارہ بار مسلمانوں نے اس کا محاصرہ کیا تھا اور پہلے محاصرے میں تو جلیل القدر صحابی حضرت ایوب انصاریؓ بھی شریک تھے جو ۵۲ ہجری میں قسطنطنیہ کی فصیل کے سائے میں مدفون ہوئے، آخرکار بار بار کی یہ کوشش رنگ لائی اور صبر واستقامت نے اپنا کام کر دکھایا کہ ۸۵۷ ہجری مطابق ۱۴۵۳ عیسوی میں محمد الفاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ۴۹۲ ہجری میں بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا اور وہاں جس طرح مسلمانوں کا خون بہایا گیا، اس کی تفصیل عیسائی مورخوں نے بھی بیان کی ہے۔ یہ قبضہ نوے سال تک قائم رہا، اس کے بعد عمادالدین زنگی اور نورالدین زنگی نے بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے اپنی ساری طاقت صرف کردی، لیکن ان کی کوششوں کا نتیجہ صلاح الدین ایوبی کے زمانہ میں سامنے آیا، چنانچہ صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ ہجری میں اس کو فتح کرنے کا کام انجام دیا، ظلم وبربریت کا خاتمہ ہوا اور اسلام کا سورج

اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ روشن ہوا۔عیسائیوں نے قبضہ کے بعد وہاں ظلم وسفاکی کی جو مثال قائم کی تھی اس کے مقابلے میں صلاح الدین ایوبی نے وہاں عدل و انصاف کا وہ نمونہ پیش کیا کہ عیسائی مورخین خاص طور پر لین پول اس کا اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکے۔ ۶۵۶ ہجری میں تاتاریوں نے بغداد کو تاراج کیا،عراق کو تباہ و برباد کرنے کے بعد شام کا رخ کیا،لیکن ۶۸۵ ہجری میں عین جالوت میں ظاہر بیبرس کے ہاتھوں شکست ہوئی،اس کے بعد عراق کو تباہ کرنے والے تاتاری ایک باعمل مسلمان کی دعوت پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

سلطنت عثمانیہ کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا،ترکوں اور عربوں کے درمیان قومی اور وطنی عصبیت پیدا کی گئی،جس کے نتیجہ میں ترک اور عرب الگ الگ ہوگئے اور عربی علاقے فرانس اور برطانیہ کے قبضہ میں آگئے، عالم عربی کو چھوٹے چھوٹے ملکوں میں تقسیم کردیا گیا،خلافت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام منتشر ہوگیا اور اسلامی وحدت پاش پاش ہوگئی،قومیت عربیہ کے بعد خود عربوں میں وطنی عصبیتیں پیدا کردی گئیں۔سابق امریکی صدر بش نے کہا تھا کہ اس کا مقصد عالم عربی واسلامی میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تشکیل دینا اور عالم عربی کے نقشہ کو تبدیل کرنا ہے۔

ترک ایک فوجی اور عسکری قوم تھے،اس لئے انہوں نے اپنی سلطنت کے رقبہ کو وسیع کرنے کے باوجود تعلیم اور ثقافت پر توجہ نہیں دی بلکہ مغربی علوم سے استفادہ کیا اور مغربی ممالک نے خلافتِ عثمانیہ کے تابع ملکوں میں اسکول اور مشنری تنظیمیں قائم کیں جنہوں نے نئی نسل کے ذہن کو مسموم کردیا۔

انیسویں صدی کے اواخر میں یورپی سامراجیت کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں یورپ (برطانیہ اور فرانس) نے اسلامی امتیازات، اسلامی تہذیب وتمدن کو مٹانے،اسلامی تشخص کو ختم کرنے اور مسلمانوں کی طاقت وقوت کے حقیقی سوتوں کو خشک کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگادیا۔برطانیہ اور فرانس میں تعلیم پانے والے مسلم نوجوانوں میں احساس کمتری پیدا کیا گیا۔آزادی کے متوالوں کی ساتھ وحشیانہ سلوک کیا گیا،صرف دہلی اور اس کے اطراف میں انگریزوں نے جس طرح ظلم وبربریت کا مظاہرہ کیا وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے،لیکن سامراج مسلمانوں کو آزادی کے حصول سے روک نہ سکا۔ مجاہدین نے آزادی کی خاطر جان ومال کی بے مثال قربانیاں پیش کیں۔الجزائر، افغانستان، ایشیائی اور افریقی ممالک کی تاریخ اس کا بین ثبوت ہے۔ ہندوستان میں پچاس سال تک انگریزوں سے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جنگیں لڑی گئیں، جس میں مسلمانوں نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ پیش کیا،آخر کار پچاس سالہ کوششوں کا نتیجہ کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوا اور یہ ملک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوا۔ پوری اسلامی تاریخ مسلم مجاہدین کی جان فروشیوں اور قربانیوں سے بھری ہوئی ہیں۔ داغستان میں سیّد شامل، ترکی میں بدیع الزماں سعید نورسی، الجزائر میں عبدالقادر الجزائری، مغرب اقصیٰ میں امیر عبدالکریم خطابی، لیبیا میں شیخ سنوسی، برصغیر میں سیّد احمد شہید اور جزیرۃ العرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کی قربانیاں اوران کے مجاہدانہ کارناموں نے صلاح الدین ایوبی اور نورالدین زنگی کی جان فروشیوں کی یاد تازہ کردی اور یہ اسلامی ممالک غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہوگئے۔

سامراجی طاقتوں نے آزاد ملکوں پر اپنا شکنجہ پھر کسنا چاہا، میدان جنگ میں بار بار شکست کھانے کے بعد انہوں نے مسلم ممالک کو غلام بنانے کے لئے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا اور وہ تعلیم کا راستہ تھا۔ایک مغربی مفکر گب کہتا ہے کہ:''ان شکستوں اور بار بار کی ناکامیوں سے بچنے کا راستہ یہ ہے کہ عالم اسلام میں تعلیمی نظام،مغربی نظام تعلیم کے طرز پر جاری کیا جائے،نجات کا یہی واحد راستہ ہے،ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ اس ذریعہ سے عالم اسلام کے قائدین اور مذہبی راہنماؤں میں کیا اثر پڑرہا ہے۔''

چنانچہ انہوں نے اسلامی تہذیب پر حملہ کیا، تعلیمی نظام کو تبدیل کیا،نصاب تعلیم کو اپنے رنگ میں رنگا،اسلامی آثار مٹانے کا کام کیا،تاریخی کتابوں کو ازسر نو مرتب کیا، شرعی قوانین پر بے اعتمادی پیدا کرنے اور عربی زبان کو ختم کرنے کی کوشش کی، اسلامی ناموں تک کو تبدیل کردیا، فرائض تک کی ادائیگی پر پابندی لگادی اور ان کے ذرائع ابلاغ، نظام حکومت، جاسوسی ادارے، خفیہ تنظیمیں، تفتیشی ٹیمیں سب اسلامی وجود وتشخص کو بدلنے میں پوری طرح مصروف رہیں،لیکن اسلام اپنی سچائی،تعلیمات اور اثر انگیزی کی بدولت پورے یورپ کے لئے ایک چیلنج بنا ہوا ہے،جس کا سامنا یورپ اپنی فوجی برتری، سائنسی ترقی اور مکر پرمبنی سیاست کے باوجود نہیں کر پارہا ہے، ہزار مخالفتوں اور پابندیوں کے باوجود اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے، مغربی یونیورسٹیوں اور کالجوں سے ایسے اسلامی مفکر اور داعی نکل رہے ہیں جو ایمانی صلابت، دینی غیرت وحمیت اور دین کی خاطر جان قربان کرنے میں ان لوگوں سے کچھ کم نہیں جن کو اسلام وراثت میں ملا اور ان کی نشوونما کفر والے اور اسلام سے مکمل انحراف والے ماحول میں ہوئی، انہی لوگوں نے اسلام کے جھنڈے کو بلند کیا اور ایسے کتنے افراد ہیں جن کے اندر اسلامی دعوت کا یہ جذبہ یورپ میں رہ کر پیدا ہوا، یہ اسلام کے معجزات میں سے ایک بڑا معجزہ ہے۔

یورپی سامراج نے اپنے دور حکومت میں

اسلام سے سخت تبرد آزمائی کی اور اپنے مشنری نظام اور مادی وسائل سے امت مسلمہ کے بہت سے جوانوں کے دلوں میں اثر ڈالا حتی کہ ایک سامراجی قائد نے یہ دعویٰ کیا کہ انہوں نے ایک ایسا نظام تعلیم ترتیب دیا ہے جو مسلمانوں کے اسلامی تشخص و امتیاز کو ختم کردے گا اور ایسی نسل تیار کرے گا جس کی صورت مسلمانوں جیسی ہوگی، لیکن سوچ غیر اسلامی وہ اپنے مظاہر میں تو آزاد ہوں گے لیکن فکری اور ذہنی اعتبار سے وہ مغرب کے غلام ہوں گے، لیکن یہ اسلامی دعوت کی کرشمہ سازی تھی کہ معاملہ اس کے برعکس ہوا اور موجودہ نسل بظاہر تو مغرب زدہ نظر آئی لیکن اس کا دل اسلام کی محبت سے لبریز اور اس کا دماغ اسلامی افکار ونظریات سے آباد رہا، یورپ جانے والا دیکھ سکتا ہے، ایسے علاقوں میں جہاں پہلے ایک مسجد نہیں تھی کثرت سے مساجد، اسلامک سینٹر، اسلامی لائبریری وجود میں آرہی ہیں، اسی طرح اخبار ومجلات سے معلوم ہو رہا ہے کہ علمی حلقوں میں اسلام کی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور اسلام مخالف عناصر بھی اسلام کو گلے لگا رہے ہیں۔

مغرب کی سازشوں اور کارروائیوں کے باوجود الحمدللہ! اسلام پھیل رہا ہے اور مسلمانوں میں جذبہ قربانی اور دین سے وابستگی اور یورپ سے واقفیت بڑھ رہی ہے، اس کی مثال خود ویٹی کن کی یہ رپورٹ ہے جو کویت کے عربی مجلّہ ''المجتمع'' نے اپریل ۲۰۱۴ء میں شائع کی ہے، ویٹی کن کی اس رپورٹ کے مطابق پوری دنیا میں سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب اسلام ہے، اسلام مخالف مہم کے باوجود ایک سال میں مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کے مقابلہ میں تین ملین بڑھی ہے، ویٹی کن کے بیان کے مطابق دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب، تین ملین، بائیس ہزار سے زیادہ ہے جو عیسائیوں کے مقابلہ میں تین ملین زیادہ ہے، اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب انیس فیصد ہے جبکہ عیسائیوں کی آبادی کا تناسب سترہ فیصد ہے، اسلام قبول کرنے والوں میں زیادہ تر مغرب کے عیسائی، یہودی اور دیگر مذاہب کے ماننے والے ہیں۔

کسی دشمن کا اسلامی ملک پر قبضہ کرنا یا میدان جنگ میں مسلمانوں کا شکست کھانا ایک وقتی معاملہ ہوتا ہے، اسلامی تاریخ میں ایسے متعدد واقعات ہیں، لیکن دل ودماغ، احساسات وجذبات یہی وہ چیزیں ہیں جو حالات کے رخ کو بدل دیتی ہیں، یورپ نے اس حقیقت کو سامراجی عہد میں سمجھ لیا تھا، اس نے اپنی پالیسی کو عسکری فتوحات کے مقابلے میں ثقافتی وفکری فتوحات کی طرف موڑ دیا تھا، جس میں ان کو ایک حد تک کامیابی بھی ملی، یورپ سامراجی عہد کے بعد سے اسی پالیسی پر عامل تھا، لیکن اخیر دور کے واقعات پھر اس بات پر دلالت کررہے ہیں کہ یورپ دوبارہ کھلی سامراجیت کی پالیسی کو اختیار کررہا ہے، یہ فکر اور خیال اس ناکامی کا نتیجہ ہے جو یورپ کو عالم اسلام کے مزاج کو بدلنے میں ہوئی، اس کے واضح اشارات موجودہ مغربی سامراج کی کارروائیوں سے مل رہے ہیں، جس کا مظاہرہ افغانستان، عراق میں اور مالی میں ہوا اور مصر، شام، لیبیا، تونس، یمن، شمالی افریقا اور سوڈان میں سامراجی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کارروائیاں جاری ہیں۔

مسلمانوں کی موجودہ صورت حال ماضی کے

آنجہانی مرزا قادیانی کی یادگار تعمیر کرنے کی مذمت

گوجرانوالہ.... عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع گوجرانوالہ کے امیر مولانا محمد اشرف مجددی نے کہا ہے کہ حکومتی سطح پر قادیانیت نوازی افسوسناک ہے۔ قادیانی آئین شکنی اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ کررہے ہیں، جبکہ غیر مسلم اقلیت کے نام پر نام نہاد مظلومیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے بقول قادیانی ملک وملت کے غدار اور انگریز کا خود کاشتہ پودا ہیں۔ سیالکوٹ میں آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی کی یادگار کی تعمیر ملکی قانون اور ریاستی رٹ کو چیلنج کرنا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ سیالکوٹ کی انتظامیہ نے آنکھیں بند کررکھی ہیں۔ حکومت اس بات کا نوٹس لے اور مرزا غلام احمد قادیانی کی یادگار کی تعمیر کو فوری روکے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ضلع گوجرانوالہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر مولانا مفتی غلام نبی، سید احمد حسین زید، مولانا محمد عارف شامی، حافظ احسان الواحد، مولانا قاری عبدالغفور آرائیں، مولانا حافظ ابوبکر انصاری اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ فزکس کا نام نامور مسلمان سائنس دان الخزینی سے منسوب کرنے کی قومی اسمبلی کی قرارداد اور پنجاب اسمبلی سے تعلیمی اداروں میں قرآن حکیم کی لازمی تعلیم کی منظوری پر خراج تحسین پیش کرنے کی قراردادیں منظور کی گئیں۔ اجلاس میں وفاقی وزیر داخلہ چوہدری احسن اقبال پر قاتلانہ حملے کی مذمت کی گئی اور اسے تحریک ختم نبوت کو بدنام کرنے کی سازش قرار دیتے ہوئے عدالتی تحقیقات کا مطالبہ کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ قانون توہین رسالت کو چھیڑنے سے معاشرتی انتشار اور انارکی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ جو قابل مذمت ہے۔ اجلاس میں جامع اسلامیہ لاہور کے شیخ الحدیث مولانا مشرف الحق تھانویؒ کی رحلت کو عالمی نقصان قرار دیتے ہوئے خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ اجلاس میں نامور عالم دین مولانا عبدالحق بشیر کے پوتے اور مولانا احسن خرامی کے بیٹے کی رحلت پر تعزیتی قرارداد بھی منظور کی گئی اور خصوصی دعا کی گئی۔

حالات سے مختلف ہے۔ ماضی میں ان کی آزمائش محدود اور علاقائی تھی اور آج ان کی آزمائش عالمی ہے جو مصر سے بنگلہ دیش تک پھیلی ہوئی ہے اور اس کی شکل بھی مختلف ہے، آج ان کی آزمائش خود اپنوں کے ہاتھوں ہے جو ان کے اسلامی بھائی ہیں، لیکن عقیدہ اور ثقافت میں ان کے دشمن ہیں، آج مسلمانوں کو باہری حملوں کا سامنا نہیں بلکہ ان کو داخلی سطح پر حملوں کا سامنا ہے، حکومت، سیکورٹی نظام، عدالتوں، قید خانوں، اسکول اور کالجوں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں پر ایسے افراد قابض ہیں جن کے ذہن و دماغ اور احساس وشعور میں اسلام دشمنی بھری ہوئی ہے اور وہ مغربی سامراج کے اشارہ پر کام کر رہے ہیں۔

انتہا پسندی اور دہشت گردی یہ دونوں بیرونی اصطلاحیں ہیں جو سامراجیوں نے اپنے شاگردوں کو سکھلائی ہیں، اسی وجہ سے دانشور اور سیاستداں انتہا پسندی، دہشت گردی اور آزادی کی تشریح سے عاجز ہیں، کیونکہ انہوں نے بغیر سمجھے ان کو قبول کرلیا ہے اور بغیر کسی جواز کے دین دار مسلمانوں اور مسلم داعیوں پر منطبق کر رہے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی بیداری کو کچلنے کے لئے جو اقدامات کئے جارہے ہیں وہی سراسر انتہا پسندی اور دہشت گردی ہیں اور بعض اسلام پسندوں کے اندر جو طیش اور غصہ ہے وہ اس دہشت گردی کا فطری ردعمل ہے جو اسلامی دعوت اور دینی جذبات کے حامل افراد کے خلاف کی جارہی ہے، حتی کہ مغربی تمدن پر نقد اور اس کی خامیوں پر لب کشائی کو بھی دہشت گردی کہا جارہا ہے، یہ دونوں اصطلاحیں میڈیا کے ذریعہ پوری دنیا میں پھیل گئی ہیں۔

یہ ایک نیا خطرہ ہے جس کا بغیر کسی اشتعال انگیزی کے پوری حکمت وبصیرت کے ساتھ مقابلہ کرنا مسلم دانشوروں کی ذمہ داری ہے اور مسلمان داعیوں اور عالموں کو معنویت کو بڑھانا ہوگا اور موجودہ حالات میں بڑی دوراندیشی اور سوجھ بوجھ سے مسائل کو حل کرنے کے لئے بہتر سے بہتر طریقہ اختیار کرنا ہوگا اور اسلام کو حکمت ودانائی کے ساتھ پیش کرکے جدید مسائل کو آپسی تعاون، باہمی اتحاد، اتفاق اور غور و خوض کے ساتھ حل کرنا ہوگا، اسی طرح مسلمانوں کی اسلامی شناخت اور دینی تشخص کی حفاظت کے لئے تعلیم وتربیت کے وسائل پر بھی توجہ دینی ہوگی اور یہ دونوں ذریعے جب تک مخلص مسلمانوں کے کنٹرول میں نہیں آئیں گے اس وقت تک عالم اسلام کی صورت حال بدل نہیں سکتی، اسی وجہ سے مغرب چاہتا ہے کہ تعلیم وتربیت کا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھ میں رہے جو اس کے وفادار اور اس کے مفادات کی حفاظت کرنے والے ہوں، اس صورت حال کو بدلنے کے لئے قابل افراد تیار کرنے اور داخلی اور عوامی سطح پر تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، مسلم ممالک کے اہل دانش وسیاست کو اس خطرہ کو سمجھنا چاہئے اور اس کے لئے اپنی جغرافیائی حدبندیوں سے آزاد ہوکر صرف ملی حدود میں رہ کر فکر کرنی ہوگی ورنہ ان کی آزادی خطرہ میں پڑجائے گی۔

(بشکریہ تعمیر حیات لکھنؤ، ۲۵؍مارچ ۲۰۱۸ء)

مفتی ہدایت اللہ پسروریؒ کے جنازہ میں شرکت

موصوف علامہ شاہ احمد نورانیؒ کے قریبی ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ جمعیت علماء پاکستان کو بارہا تقسیم کے عمل سے گزرنا پڑا لیکن مولانا پسروری نے اپنے قائد اور قائد کی وفات کے بعد قائد کی اولاد اور جماعت کو نہ چھوڑا۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لئے جب بھی ضرورت پڑی مولانا پسروریؒ کشاں کشاں چلے آئے اور اپنی قیمتی آراً سے سرفراز فرمایا۔ ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۲ء کی تحریک ہائے ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا اور ۱۹۷۷ء کی تحریک نظام مصطفیٰ جو پاکستان قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے چلائی گئی۔ آپ نے اہل ملتان کے دلوں کی دھڑکن نقشبندی سلسلہ کے بزرگ مولانا حامد علی خان کے ساتھ مل کر قائدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۷۷ء میں پاکستان قومی اتحاد کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا گیا اور پاکستان قومی اتحاد کے مولانا حامد علی خان بھاری اکثریت سے جیت رہے تھے، انہیں دھاندلی کے ذریعہ بھاری اکثریت سے ہرایا گیا اور یہ سلسلہ ملک بھر میں ہوا، جس کے نتیجہ میں تحریک شروع ہوئی اور ملک بھر میں پھیل گئی۔ ملتان میں بھی ملک بھر کی طرح خاصا ردعمل ہوا، کئی ایک نوجوانوں کو خاک وخون میں تڑپایا گیا۔ ہمارے شجاع آباد سے جمعیت طلبا اسلام کے ایک نوجوان نصیر الدین الحرار کو بھی شہید کیا گیا۔ بہرحال مولانا پسروری نے پی این اے کی قیادت میں تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور قید وبند سے گزرنا پڑا۔ بہرحال مولانا پسروریؒ جو درحقیقت پسرور ضلع سیالکوٹ سے ملتان آئے اور ممتاز آباد میں مدرسہ ہدایت القرآن اور سنی مسجد میں خطیب و مہتمم رہے۔ ان کی وفات ۲۶؍رجب المرجب نماز جمعہ کے بعد ہوئی اور اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ حضرت مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری مدظلہ مرکزی ناظم اعلیٰ کی معیت میں جنازہ میں حاضری ہوئی۔

مولانا محمد اسماعیل شجاع آبادی

زکوٰۃ کے مصارف اور موجودہ حالات

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

زکوٰۃ ایک اہم ترین عبادت ہے، جس کا بنیادی مقصد ہے: غرباء کی ضرورتوں کو پوری کرنا؛ لیکن زکوٰۃ خرچ کرنے کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ جس پر چاہیں، اس رقم کو خرچ کردیں؛ بلکہ خود زکوٰۃ کے مصارف متعین فرمادیئے، سورہ توبہ کی آیت نمبر: ۶۰ میں اس کا ذکر موجود ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صاحب زکوٰۃ کے طلب گار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو زکوٰۃ کے معاملہ یہ بات پسند نہیں آئی کہ پیغمبر یا کوئی اور شخص اس کا مصرف متعین کرے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی مستحقین زکوٰۃ کی آٹھ مدات متعین فرمادیں، اگر تم اس میں سے ہو تو میں تمہیں اس میں سے دوں گا۔ (ابوداود، عن زیاد بن حارث صدائی، باب من یعطی من الصدقۃ وحد الغنی، حدیث نمبر: ۱۶۳۲) پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن نے مصارف زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے: ''انما الصدقات'' عربی گرامر کے رو سے 'انما' کا لفظ حصر اور محدودیت کو بتاتا ہے، یعنی زکوٰۃ صرف ان ہی آٹھ مصارف میں خرچ کی جاسکتی ہے، کسی اور مصرف میں نہیں؛ اس لئے مصارف زکوٰۃ کی بڑی اہمیت ہے!

زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں پہلا اور دوسرا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، فقیر و مسکین میں سے ایک کے معنی ضرورت مند کے ہیں اور دوسرے کے بہت زیادہ ضرورت مند کے؛ لیکن اس غربت کا معیار کیا ہے، جس کی بنیاد پر کسی کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا نقطہ نظر ہے کہ اس شخص کے پاس نصاب زکوٰۃ کے بقدر مال موجود نہ ہو؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے والی کو زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کے سلسلہ میں حکم دیا کہ زکوٰۃ مسلمان مال داروں سے لی جائے اور ان ہی کے فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ (بخاری، عن ابن عباس، باب وجوب الزکوٰۃ، حدیث نمبر: ۱۳۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ جس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے، وہ شریعت کی نظر میں غنی یعنی مال دار ہے، اور جس پر زکوٰۃ واجب نہ ہو وہ فقیر اور مستحق زکوٰۃ ہے؛ لیکن موجودہ حالات میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ روپیہ، مال تجارت اور سونے یا چاندی کے نامکمل نصاب میں چاندی کے نصاب چھ سو بارہ گرام چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا سونے کے نصاب ساڑھے ستاسی گرام سونے کا؟ عام طور پر علماء ہند نے چاندی کے نصاب کو معیار مانا ہے، اور عرب علماء و فقہاء نے سونے کے نصاب کو، موجودہ زمانہ میں چاندی کے نصاب کی مقدار بہت کم ہوجاتی ہے، بہت سی دفعہ نہایت محتاج حضرات بھی اس نصاب کے حامل ہوتے ہیں؛ اس لئے اس حقیر کا رجحان دوسری رائے کی طرف ہے، بہر حال جو لوگ نصاب زکوٰۃ کے بہ قدر مال کے مالک نہ ہوں اور اس معیار کے مطابق غریب و محتاج ہوں، ان ہی کے لئے زکوٰۃ جائز ہے، افسوس کہ آج کل اچھے خاصے، کھاتے کماتے لوگ اپنے لئے زکوٰۃ کے طلب گار ہوجاتے ہیں، کبھی اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے زکوٰۃ کی بڑی بڑی رقمیں وصول کرتے ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی ضرورت پوری ہوجانے کے باوجود سوال کا ہاتھ پھیلایا، وہ اپنے لئے دوزخ کی آگ میں اضافہ کرتا ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۷۳/۸)

زکوٰۃ دینے والوں کو بھی چاہئے کہ زکوٰۃ چاہے کسی فرد کو دیں یا کسی ادارہ کو؟ اچھی طرح تحقیق کرلیں کہ کیا واقعی یہ شخص زکوٰۃ کا مستحق ہے؟ کیا یہ ادارہ عالم واقعہ میں موجود ہے؟ ان کے یہاں زکوٰۃ کے مدات ہیں یا نہیں؟ اگر خود تحقیق نہ کرسکیں تو معتبر لوگوں اور اداروں کی تحقیق پر بھروسہ کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ خود تحقیق کرکے مطمئن ہوجائیں، اگر بلا تحقیق زکوٰۃ دے دی؛ حالاں کہ وہ شخص یا ادارہ زکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (تبیین الحقائق: ۳۰۴/۱) اسی طرح پیشہ ور بھکاریوں کو بھی زکوٰۃ نہیں دینی چاہئے، یہ وہ لوگ ہیں جو ضرورت کی بنا پر نہیں؛ بلکہ پیشے کے طور پر بھیک مانگتے ہیں؛ حالاں کہ ان کے پاس بڑی بڑی رقمیں موجود ہوتی ہیں، ان کو زکوٰۃ دینا گداگری کی خو کو بڑھانا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کی شفقت و رحمت ہوسکتی ہے؟ لیکن جب آپ کے سامنے ایک صاحب نے دست سوال پھیلایا تو آپ نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کو محنت کرکے کھانے کی

تدبیر بتائی۔(ابن ماجہ،عن انس،حدیث نمبر:۲۱۹۸) اس لئے بھکاریوں کی اس خو کو بڑھا کر ملت کی ذلت و رسوائی میں اضافہ کا سبب نہیں بننا چاہئے۔

زکوٰۃ کا تیسرا مصرف 'عاملین' یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے ہیں، اصل عاملین تو اسلامی حکومت کی طرف سے ہوا کرتے تھے؛ لیکن نہ صرف ہندوستان بلکہ خود مسلم ممالک میں بھی آج نہ اسلامی حکومت ہے اور نہ بیت المال؛ اس لئے جو لوگ زکوٰۃ کی وصولی اور اس کے حساب وکتاب وغیرہ کا کام انجام دیتے ہیں، ان کو زکوٰۃ میں سے اجرت ادا کی جاسکتی ہے، یہ رقم ان کو اعانت اور زکوٰۃ کے طور پر نہیں؛ بلکہ بطور اجرت اور حق الخدمت کے دی جائے گی؛ کیوں کہ وہ مستحقین زکوٰۃ کا کام کرتے ہیں؛ اس لئے مستحقین زکوٰۃ کے اجیر ہونے کی حیثیت سے انھیں اجرت دی جاتی ہے؛ اسی لئے عاملین کا غریب اور مستحق زکوٰۃ ہونا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ نتیجہ کے اعتبار سے انھیں یہ رقم بطور زکوٰۃ کے نہیں دی جاتی، زکوٰۃ کے مالک تو وہ لوگ ہیں جن پر زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے؛ لیکن وہ اس مال کے مالک کی حیثیت سے لوگوں کو ان کا محتاجانہ ادا کرتے ہیں۔

اجرت کے سلسلہ میں اصول ہے کہ اجیر کا کام متعین ہو اور اس کی اجرت مقرر ہو؛ لہٰذا آج کل مدارس اور دوسرے دینی اداروں کے جو سفراء ہیں، ان کی تنخواہ مقرر ہونی چاہئے نہ کہ کمیشن، جیسا کہ آج کل بعض چھوٹے چھوٹے اداروں کے سلسلہ میں سننے میں آتا ہے، ہاں اس بات کی گنجائش ہے کہ تنخواہ مقرر کرتے ہوئے وصولی کی ایک مقدار مقرر کردی جائے اور کہہ دیا جائے کہ اگر آپ اس سے زیادہ وصول کریں گے تو آپ کو خصوصی انعام بھی دیا جائے گا، اس طرح ان کو محنت کرنے کی ترغیب ہوگی، یہ تنخواہ ان کی وصولی کی صلاحیت کے لحاظ سے مقرر ہوسکتی ہے اور جیسے جیسے وصولی بڑھتی جائے، ان کی تنخواہ بڑھائی جاسکتی ہے، اس سے کام کرنے والوں میں اخلاص کی کیفیت بھی باقی رہے گی، شرعی قباحت بھی پیدا نہ ہوگی اور محنت سے کام کرنے کی ترغیب بھی ہوگی؛ چنانچہ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اپنے پانچویں سیمینار منعقدہ اعظم گڑھ میں بالاتفاق چندہ وصولی پر کمیشن کے ناجائز ہونے کا فیصلہ کرچکا ہے۔

یہ بات بھی ضروری ہے کہ محصلین اپنی وصول کردہ رقوم زکوٰۃ پہلے مدرسہ یا ادارہ میں جمع کردیں، پھر ذمہ دار ادارہ جیسے دوسرے عملہ کو تنخواہ دیتا ہے، اسی طرح ان کی بھی تنخواہ ادا کرے؛ تاکہ ان کے حق الخدمت میں اجرت کی کیفیت برقرار رہے، رقم ادا کئے بغیر اپنے طور پر وصول شدہ رقم سے محنتانہ وصول کرلینا گویا زکوٰۃ کی رقم لینا ہے؛ حالاں کہ اس کو جو کچھ دیا جائے گا، وہ بطور حق المحنت کے ہے نہ کہ بطور زکوٰۃ کے۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ زکوٰۃ کا اصل مصرف فقراء ومساکین ہیں، عاملین کی حیثیت ضمنی ہے؛ کیوں کہ وہ فقراء کے لئے زکوٰۃ وصول کرتے ہیں تو ان کی ایسی اجرت مقرر نہیں ہونی چاہئے کہ گویا زکوٰۃ ان ہی کے لئے وصول کی گئی ہے، زکوٰۃ دینے والے، مدرسہ یا ادارہ کو زکوٰۃ دیتے ہیں کہ وہ اس کو ضرورت مندوں پر خرچ کریں نہ کہ محصلین زکوٰۃ کی ضروریات کے لئے؛ اس لئے اس کام پر اجرت کی غیر معمولی مقدار شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے کے منشاء کے بھی مغائر ہے۔

چوتھا مصرف 'مؤلفۃ القلوب' ہیں، تالیف قلب سے دل جوئی کرنا مراد ہے، مفسرین کے یہاں اس سلسلہ میں خاصا اختلاف ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ فقہاء کے ایک گروہ کے نزدیک اس میں غیر مسلموں کے بھی دو گروہ شامل ہیں، ایک: وہ جن کے بارے میں امید ہو کہ مالی اعانت سے متاثر ہوکر وہ دامن اسلام میں آجائیں گے، دوسرے: وہ لیڈر اور زور آور قسم کے لوگ، جن کی اعانت کرکے ان کو خاموش رکھا جاسکتا ہو، مسلمانوں کے بھی دو گروہوں کا فقہاء نے ذکر کیا ہے، ایک: مسلم ملک کی سرحد پر آباد لوگ، کہ وہ اپنی جگہ جمے رہیں، چھوڑ کر شہر کی طرف نہ آجائیں؛ کیوں کہ اس زمانہ میں ملک کی حفاظت کے لئے تنخواہ دار فوجیوں کا انتظام نہیں تھا، رضاکارانہ طور پر ہر شخص ملک کے دفاع کی خدمت انجام دیتا تھا، اس لئے سرحدی آبادیوں کی بڑی اہمیت تھی اور گویا ان کی حیثیت ایک دفاعی لائن کی ہوتی تھی، ظاہر ہے کہ اب یہ صورت باقی نہیں رہی، دوسرے: وہ نو مسلم حضرات جن کے بارے میں امکان ہو کہ مالی اعانت کی وجہ سے ان کے ایمان میں پختگی اور ثابت قدمی پیدا ہوگی، نیز ان کی بہتر صورت حال کو دیکھ کر سابق سماج سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو بھی اسلام قبول کرنے کی ترغیب ہوگی، سیدنا حضرت عمرؓ نے اپنے دور میں اس سلسلہ کو اس لئے بند فرمادیا کہ اس وقت اسلام کو ایسا غلبہ حاصل ہوچکا تھا کہ اس مد کی ضرورت باقی نہیں رہی؛ لیکن موجودہ حالات میں اس کا حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے، تاہم اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جو نو مسلم غربت وافلاس سے دوچار ہوں، اپنے سابق سماج کو چھوڑنے کی وجہ سے بے سہارا ہوگئے ہو، ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور ان کو ترجیحی طور پر زکوٰۃ دینی چاہئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، انہیں بعض اوقات جسمانی تکلیف بھی پہنچائی جاتی ہے اور ایسا نہ بھی ہو تو کم سے کم انھیں سماج سے الگ تھلگ کردیا جاتا ہے، گھر سے نکال دیا جاتا ہے، رشتہ دار ترک تعلق کرلیتے ہیں، ملازمت سے ہٹا دیا جاتا ہے، نئی ملازمت بھی نہیں مل پاتی ہے، اگر ان کا تعلق نیچی ذات سے ہو تو جو خصوصی مراعات حاصل

تھیں، وہ ختم کردی جاتی ہیں، ان حالات میں اگر مسلمان انھیں سہارا نہ دیں اور اپنے سینے سے نہ لگائیں تو کون ہے جو ان کے لئے سہارا بنے؟ بعض دفعہ ایسے واقعات بھی پیش آتے ہیں کہ اس کسمپرسی سے تنگ آکر وہ کفر کی طرف واپس ہوجاتے ہیں، حد تو یہ ہے کہ خاندانی مسلمان نہ تو ان کو اپنی لڑکیاں دیتے ہیں اور نہ ان کی لڑکیاں اپنے یہاں لاتے ہیں، وہ مسلمان ہوکر ایسا محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ دوسرے درجہ کا مسلمان ہے؛ اس لئے جو لوگ واقعی نومسلم ہیں اور وہ بطور پیشے کے ہاتھ نہیں پھیلاتے؛ بلکہ حقیقت میں ضرورت مند ہیں، ان کا زکوۃ وصدقات کے ذریعہ تعاون کرنا چاہئے؛ البتہ تحقیق ضروری ہے؛ کیوں کہ بعض ایسے حضرات بھی ہیں کہ کئی پشت پہلے ان کے آباء واجداد مسلمان ہوئے اور اب وہ بہتر زندگی گذار رہے ہیں؛ لیکن پھر بھی اپنے آپ کو نومسلم کہہ کر چندہ وصول کرتے پھرتے ہیں، اسی طرح بعض نومسلموں نے اسی کو اپنا ذریعہ معاش بنالیا ہے، وہ صحت مند ہونے کے باوجود کام کاج نہیں کرتے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھرتے ہیں، ایسے لوگوں کو زکوۃ دے کر ان کی ہاتھ پھیلانے کی خو کو بڑھانا نہیں چاہئے؛ بلکہ ان کی تربیت کرنی چاہئے کہ وہ محنت مزدوری کرکے حلال روزی کمائیں کہ یہ بھی ایک شرعی فریضہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین فطرت بنایا ہے اور ہمیشہ اس کی اشاعت، اس کی فطری تعلیمات، روحانیت اور اخلاقی اقدار کی وجہ سے ہوئی ہے، یہ دین اپنی اشاعت میں نہ دولت کا محتاج ہے اور نہ طاقت کا، پوری اسلامی تاریخ اس پر شاہد ہے؛ البتہ برادران وطن کو اسلام کی دعوت دینے اور اسلام کی طرف لانے میں مالی اخراجات بھی مطلوب ہوتے ہیں، اور انھیں غیر مسلم مدعوئین پر بھی خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، اس کے لئے مسلمانوں کو عطیات کی رقم پیش کرنی چاہئے، مسلمان اصحاب خیر، تجار، اور سرکاری ملازمین تیس فی صد سے ستر فی صد تک انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں تو کیا وہ دین کے اتنے اہم مقصد کے لئے اپنی آمدنی کا ایک دو فیصد خرچ نہیں کرسکتے؟ یہ بات بڑی ہی افسوس ناک ہے کہ ملت میں سارے اجتماعی کاموں کو زکوۃ کی رقم سے پورا کرنے کا رجحان پیدا ہورہا ہے، آخر اس ڈھائی فی صد رقم سے کیا کیا کام ہوسکے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کے مال میں زکوۃ کے سوا بھی حق ہے۔ (ترمذی، عن فاطمۃ بنت قیس، باب ماجاء ان فی المال حقا سوی الزکوۃ، حدیث نمبر: ۶۶۰) اس حق کو بالکل فراموش کردینا اور سارے کام کو اسی ڈھائی فی صد پر منحصر کردینا کیا شریعت کی پیروی اور دین سے حق محبت کی ادائیگی کے لئے کافی ہے؟

زکوۃ کے پانچویں مصرف کو قرآن نے "وفی الرقاب" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، "رقبہ" کے معنی گردن کے ہیں، یعنی اگر کسی کی گردن پھنسی ہوئی ہو تو اس کو چھڑایا جائے، یہ عربی زبان کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے 'غلام' مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ غلام کی مدد کی جائے کہ وہ اپنے آپ کو آزاد کرا سکیں، یا ان کو خرید کر آزاد کردیا جائے، اسلام بنیادی طور پر انسانوں کو غلام بنانے یا غلام بنائے رکھنے کا قائل نہیں ہے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس دور میں تشریف لائے، اس وقت بیک جنبش قلم غلامی کو ختم کرنا ممکن نہیں تھا؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی، مختلف ایسی تدبیریں مقرر کیں کہ غلاموں اور باندیوں کی آزادی کا راستہ فراہم ہوجائے، جن غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں پیسوں کی ضرورت تھی، ان کی مدد کرنے کی تلقین فرمائی، جنگوں میں جو لوگ قید ہوکر آتے تھے، عام طور پر انھیں غلام بنالیا جاتا تھا، آپ نے ان کو بھی یوں ہی رہا کردیا، کبھی فدیہ لے کر رہا کیا، کچھ لوگوں کو جنگی قیدیوں کے تبادلہ میں رہا فرمایا اور بہت کم قیدی تھے جن کو غلام اور باندی بنایا گیا؛ کیوں کہ ان کو آزاد کردینا مصلحت کے خلاف تھا؛ بہرحال ان بالواسطہ تدابیر کا اثر یہ ہوا کہ غلامی کا جو رواج نامعلوم تاریخ سے موجود تھا، وہ دنیا سے ختم ہوگیا؛ البتہ اب بھی مغرب نے غلام بنانے کا نظام باقی رکھا ہے، پہلے افراد کو غلام بنایا جاتا تھا اور اب وہ پوری پوری قوم کو غلام بناتے ہیں۔

ہمارے موجودہ معاشرہ میں غلامی سے ملتی جلتی بلکہ اس سے بھی بدترین بعض شکلیں پائی جاتی ہیں، اور وہ ہیں جیل کی کوٹھریوں میں بند لوگ، ان میں بہت سے وہ مسلمان نوجوان ہیں جن کو بالکل جھوٹے مقدمات میں پھنسایا گیا ہے، ان کے پسماندگان کا تکفل اور مقدمات کی چارہ جوئی میں ان کا تعاون مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، اسی طرح بہت سے مسلمان جرمانے کی معمولی مقدار پانچ دس ہزار ادا نہ کرنے کی وجہ سے جیل کی سلاخوں میں پڑے ہوئے ہیں، ان غریب ومحتاج مسلمان قیدیوں کی زکوۃ سے مدد کرنی چاہئے؛ کیوں کہ وہ بھی "رقاب" کے درجہ میں ہیں؛ بلکہ جو لوگ جیل میں وقت گذار کر اور باعزت طور پر رہا ہوکر باہر آتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ بہت سے غیر مسلم بھائی بھی جرمانہ کی تھوڑی سی رقم نہ ادا کرنے کی وجہ سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ عمومی طور پر دلت ہیں؛ کیوں کہ مسلمانوں کے بعد سب سے مظلوم طبقہ ان ہی لوگوں کا ہے، زکوۃ کی رقم تو مسلمانوں پر ہی خرچ کی جاسکتی ہے؛ لیکن عطیات کی رقم کے ذریعہ ہمیں ان پریشان حال بھائیوں کی طرف بھی مدد کا ہاتھ بڑھانا چاہئے اور اسلام نے

انسانی بنیاد پر حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے، اس کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہئے، خلیجی ملکوں میں بھی بہت سے مسلم نوجوان جیلوں میں سڑ رہے ہیں، ان میں اکثر و بیشتر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی میں یا ایکسیڈنٹ کی بنیاد پر ہلاکت کی وجہ سے گرفتار ہوئے، جو مسلمان خلیجی ممالک میں کام کر رہے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی خبر گیری کریں اور ان کے مسائل حل کرنے میں فراخ دلی سے کام لیں۔

البتہ قیدی ہندوستان میں ہوں یا بیرونِ ملک میں، جو لوگ واقعی سنگین جرائم کے مرتکب ہیں اور قتل، آبرو ریزی، رہزنی اور ناجائز قبضہ وغیرہ کی وجہ سے گرفتار کئے گئے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی مظلوموں کے ساتھ ناانصافی ہے، ان کے قرار واقعی سزا پانے میں ہی سماج کی بھلائی ہے، اس لئے ان کی رہائی کی کوشش اور اس کے لئے مدد مناسب نہیں؛ ہاں، ان کے مجبور و مفلس پسماندگان کی ضروریات پوری کرنے میں مدد کی جا سکتی ہے۔

زکوٰۃ کا چھٹا مصرف ''غارمین'' ہیں، غارمین سے مراد وہ مقروض ہیں، جن کے اندر قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہو، اور قرض دینے والے قرض معاف کرنے کو تیار نہ ہوں، حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاحب کے پھلوں کی فصل متاثر ہوگئی اور قرض بہت زیادہ ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: انہیں صدقہ دو؛ چنانچہ صحابہؓ نے انہیں صدقہ دیا۔ (سنن ابن ماجہ، باب تفلیس المعدوم والبیع علیہ لغرمائہ، عن ابی سعید الخدریؓ، حدیث نمبر: ۲۳۴۲)

البتہ اس سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، ایک یہ کہ مقروض اس وقت زکوٰۃ کا مستحق ہے کہ اگر اس کی املاک سے اس کا سارا قرض ادا کر دیا جائے تو وہ نصاب کے بقدر مال کا مالک باقی نہ رہے، ایسے شخص کے لئے یہ حکم ہے کہ پہلے تو وہ بنیادی ضرورت کے علاوہ املاک فروخت کر کے قرض ادا کرنے کی کوشش کرے؛ لیکن اگر وہ کافی نہ ہو سکے اور بقیہ قرض کو قرض دینے والے معاف کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان قرضوں کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم سے ان کا تعاون کیا جا سکتا ہے، دوسری بات وہ ہے جو مشہور مفسر علامہ قرطبیؒ نے لکھی ہے کہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے جائز کاموں کے لئے قرض لیا ہو، اگر ناجائز کام کے لئے قرض لیا ہو تو اس کی مدد نہیں کرنی چاہئے، سوائے اس کے کہ وہ توبہ کر لے، توبہ کرا کر اور آئندہ اس سے بچنے کا عہد لے کر پھر اس کی مدد کی جا سکتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۱۸۳/۸) موجودہ دور میں اس کی ایک مثال بینک سے لئے جانے والے سودی قرض ہیں، ایسے لوگوں کا اسی وقت تعاون کیا جائے جب ان سے توبہ کرائی جائے، اور بہتر ہے کہ یہ توبہ تحریری طور پر ہو، افسوس کہ بعض لوگ اس طرح قرض لیتے ہیں کہ انھوں نے قرض کو آمدنی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا ہے، وہ قرض کے ذریعہ اپنی فضول خرچی کے جذبات کی تسکین کرتے ہیں اور غیر ضروری چیزیں خرید خرید کر اپنے اوپر قرض کا بوجھ بڑھاتے جاتے ہیں، پھر لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے ہیں، ایسے لوگ تنبیہ اور اصلاح کے مستحق ہیں نہ کہ تعاون کے۔

ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' ہے، فی سبیل اللہ کے معنی ہیں: اللہ کے راستہ میں جد و جہد کرنے والے، اگرچہ اس کا معنی عام ہے؛ لیکن اصطلاح میں اس سے مجاہدین مراد ہیں، جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دعاء کے ہیں؛ لیکن اصطلاح میں اس سے نماز مراد ہے نہ کہ دعاء، اسی طرح فی سبیل اللہ میں یوں تو ہر کارِ خیر شامل ہے؛ لیکن یہاں اس سے جہاد مراد ہے؛ کیونکہ قرآن و حدیث میں عام طور پر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے؛ اسی لئے جمہور علماء کی رائے یہی ہے اور شروع سے رہی ہے کہ اس سے مجاہدین مراد ہیں، ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اس مصرف کا کوئی محل نہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس مد کو ہر طرح کے کارِ خیر میں استعمال کیا جا سکتا ہے، جیسے: ہاسپٹل، کتابوں کی طباعت، دعوتی کوششیں وغیرہ، یہ نقطۂ نظر جمہور فقہاء و محدثین کی رائے کے خلاف ہے، اس پر قرآن و حدیث کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں، اور غور کیجئے کہ اگر اس مصرف میں اس درجہ عموم ہوتا تو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہی ایک صورت ان تمام مصارف کو شامل ہو جاتی، صرف لغوی معنی کی بنیاد پر اس لفظ کے مفہوم میں اس درجہ کی وسعت ایسے ہی ہوگی کہ جیسے کوئی ''صلوٰۃ'' کے لفظ کی وجہ سے نماز کی ادائیگی کے لئے دعاء کو کافی سمجھ لے۔

ہاں! البتہ مؤلفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ کے تذکرہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زکوٰۃ کے دو بنیادی مقاصد ہیں، ایک: غرباء کی ضرورت کو پورا کرنا، دوسرے: اسلام کی حفاظت و سربلندی؛ لہٰذا جو اشخاص یا ادارے دین کی سربلندی کا کام کرتے ہوں، ان کو اس لئے زکوٰۃ دینا کہ وہ اس کام میں شامل محتاج لوگوں کی اعانت کریں، زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ آج کل دینی درسگاہیں علم دین حاصل کرنے والے طلباء و طالبات پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتے ہیں اور انھیں آئندہ اسلام کی اشاعت و حفاظت کی وسیع تر خدمت کے لئے تیار کرتے ہیں، امام غزالیؒ وغیرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، یا ان دینی تنظیموں کی جو خدمت خلق کا کام کرتی ہیں اور مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دیتی ہیں۔

زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف 'مسافر' ہیں، جن کو عربی زبان میں ''ابن سبیل'' بھی کہا جاتا ہے اور قرآن مجید نے بھی مصارفِ زکوٰۃ کے ذیل میں ان کے لئے یہی

لفظ استعمال کیا ہے، انسان چاہے اپنے وطن میں صاحب ثروت ہو؛ لیکن بعض دفعہ سفر میں پیسے پیسے کا محتاج ہوجاتا ہے، اگر واقعی کوئی شخص ایسی صورت حال سے دوچار ہو اور اس کے لئے اپنے گھر سے فوری طور پر رقم منگوانی ممکن نہ ہو تو اتنی مقدار زکوۃ سے اس کا تعاون کیا جاسکتا ہے کہ وہ گھر پہنچ جائے؛ لیکن آج کل بعض لوگوں نے اس کو پیشہ بنا رکھا ہے، یہاں تک کہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگوں نے دھوکہ کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے روپیہ کے بجائے ٹکٹ بنا کر دے دیا؛ لیکن مصنوعی مسافر نے ٹکٹ واپس کر کے پیسے واپس لے لئے، موجودہ دور میں اے، ٹی، ایم اور بینک کا نظام کچھ ایسا سہولت بخش ہوگیا ہے کہ لمحوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ رقم پہنچ جاتی ہے، نیز مسافر جو پتہ بتاتا ہو، فون کے ذریعہ اس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں؛ اس لئے مناسب تحقیق کے بغیر ایسے لوگوں کو زکوۃ کی رقم نہیں دینی چاہئے۔

یہ تو وہ مصارف ہیں جن میں زکوۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؛ لیکن بعض ترجیحی مصارف ہیں، ان میں سے دینی مدارس اور دینی اداروں کا ذکر پہلے آچکا ہے، دوسرا ترجیحی مصرف اپنے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں، رشتہ داروں کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اُصول یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اور ان کے اوپر کا سلسلہ ہو تو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، اسی طرح فروع یعنی اولاد، اولاد کی اولاد اور ان کے نیچے کے سلسلہ کو بھی زکوۃ نہیں دی جاسکتی، اسی طرح شوہر و بیوی ایک دوسرے کو زکوۃ نہیں دے سکتے، باقی تمام رشتہ داروں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، جیسے: بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، ساس، سسر، سالے اور سالی، ان سبھوں کو زکوۃ دی جاسکتی ہے اور ان کو زکوۃ دینے میں دہرا اجر ہے، ایک: زکوۃ کی ادائیگی کا، دوسرے: صلہ رحمی کے تقاضہ کو پورا کرنے کا، یہ حکم صرف زکوۃ ہی کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ تمام صدقات کے لئے ہے، اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ پوری کی پوری زکوۃ اپنے رشتہ دار ہی کو دے دی جائے؛ بلکہ جو مصارف موجود ہیں، ان سب پر خرچ کرنے کی کوشش کی جائے؛ البتہ مستحق زکوۃ رشتہ داروں کو خصوصی اہمیت دی جائے۔

تیسری ترجیح پڑوسیوں کی ہوسکتی ہے: ''زکوۃ پڑوسیوں پر خرچ کی جائے'' خاص اس سلسلہ میں تو غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ہدایت منقول نہیں ہے؛ لیکن عمومی طور پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اور حسن سلوک کی ایک شکل زکوۃ کے ذریعہ اعانت بھی ہے؛ اس لئے پڑوسی اور قرب و جوار کے لوگوں کو زکوۃ میں یاد رکھنا چاہئے؛ لیکن بعض ناسمجھ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زکوۃ دینی مدارس اور اداروں کو نہ دی جائے، پڑوسیوں کو ہی دی جائے، یا ایک شہر کی زکوۃ اسی شہر میں خرچ ہو، دوسری جگہ خرچ نہ ہو، یہ دین سے ناواقفیت اور اسلام کے آفاقی مزاج سے محرومی کا نتیجہ ہے، ہمارے ملک میں کتنے ہی مدارس اور دینی و ملی کام ہیں، جن کی ضروریات کی تکمیل بیرونِ ملک کے تعاون سے ہوتی ہے، اور یہ تعاون قانونی طور پر آتا ہے، پھر بعض ایسے شہر ہیں جس میں مسلمان اصحاب ثروت، تجار اور صنعت کار بڑے پیمانہ پر زکوۃ نکالتے ہیں اور پورے ملک کے دینی کاموں کو وہاں سے غذا حاصل ہوتی ہے، اگر ہر علاقہ کے لوگ اپنے تعاون کو اپنے شہر تک محدود کر دیں، تو ملک میں پھیلی ہوئی اتنی بڑی ملت کی دینی اور معاشی ضروریات کیسے پوری ہوسکتی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یمن اور بعض دور دراز کے علاقوں سے زکوۃ وصول کر کے مدینہ لائی جاتی تھی اور اس کا بیشتر حصہ اہل مدینہ پر خرچ ہوتا تھا، خلفاء راشدین کے عہد میں بھی عالم اسلامی کے چپہ چپہ سے زکوۃ وصول کر کے بیت المال پہنچتی تھی اور بیت المال سے ہر جگہ وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے مدد پہنچتی تھی۔

مسلمان ایک آفاقی امت اور عالمی خاندان ہیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے آپس میں جوڑ رکھا ہے، اسے اس معاملہ میں کنواں نہیں بننا چاہئے، سمندر بننا چاہئے، سمندر اپنا سینہ جلا کر اور بھاپ جمع کر کے ہواؤں کے حوالہ کرتا ہے؛ تاکہ وہ بادل بن کر دور دور تک برسے، مسلمانوں کا مزاج بھی ہونا چاہئے کہ ان کا تعاون دور دور تک پہنچے اور دین کے ہر چھوٹے بڑے کام میں ان کی شرکت ہو، یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو انھیں نصیحت کی کہ پہلے انہیں ایمان کی دعوت دینا، جب وہ ایمان لے آئیں تو نماز کا حکم دینا اور نماز پڑھنے لگیں تو زکوۃ کا حکم دینا، ان کے مال داروں سے زکوۃ لینا اور ان ہی کے غریبوں میں تقسیم کر دینا۔ (بخاری، عن ابن عباسؓ، حدیث نمبر: ۱۳۹۵) لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد وقتی مصلحت کے تحت تھا کہ ان کو یک لخت دین کے تمام احکام کی طرف لانے کے بجائے بتدریج اسلامی تعلیمات کی تلقین کرو؛ تاکہ وہ بوجھ نہ محسوس کریں اور زکوۃ لے کر وہیں تقسیم کر دو؛ تاکہ کہیں ان کو غلط فہمی نہ ہوجائے کہ اس دین کا مقصد ہم سے پیسہ وصول کرنا ہے؛ تاہم یہ کوئی عمومی حکم نہیں ہے کہ جہاں کی زکوۃ ہو، لازماً وہیں خرچ کر دی جائے۔

بہر حال زکوۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، یہ ایک عظیم الشان عبادت ہے اور اس سے خالق اور مخلوق دونوں کا حق متعلق ہے، اس عبادت کو اہتمام کے ساتھ انجام دینا چاہئے اور تحقیق کے بعد صحیح مصرف تک پہنچانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق! ☆☆☆

ام المومنین

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

مولانا محمد روح اللہ نقشبندی

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا لقب طاہرہ ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ، والد کا نام خویلد اور خاندان قریش از اولادِ قصی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دو نکاح ہوئے: (۱) عتیق بن عائذ مخزومی جو لاولد دنیا سے رخصت ہوئے، (۲) ابو ہالہ ہند بن نباش جن کی اولاد ہوئی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی عمر میں نکاح ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ۴۰ سال تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ۲۵ برس یا ۲۴ برس چھ ماہ رہیں۔

وفات مکہ مکرمہ میں ہوئی جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۰ سال تھی اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۶۵ سال تھی۔

(تاریخ اسلام، ص: ۳۰)

حضرت محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک مالدار اور نہایت شریف تاجر خاتون تھیں، وہ اپنا مال تجارت پیشہ لوگوں کو بطورِ مضاربت دیا کرتی تھیں، اس زمانے میں خاندانِ قریش کے لوگ بڑے مانے ہوئے تاجر سمجھے جاتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ وشرافت ودیانت کی خبر پہنچی تو بہت متاثر ہوئیں اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پیغام بھیجا کہ اگر آپ میرا مال لے کر تجارت کے لئے تشریف لے جائیں تو جتنا حصہ میں دوسروں کو دیتی ہوں، اس سے دوگنا آپ کو دوں گی اور ساتھ میں ایک غلام بھیجنے کی بھی پیشکش کی جسے میسرہ کہا جاتا تھا۔

> **سیّدہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ بے حد سمجھ دار، صاحبِ ثروت، سلیقہ شعار اور شریف خاتون تھیں۔ اللہ جل شانہ نے وافر مال ودولت سے نوازا تھا، شرف وعظمت کے لحاظ سے ایک خاص مقام کی حامل تھیں۔**

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پیشکش قبول کرلی اور ان کا مال اور غلام ساتھ لے کر شام کے سفر پر روانہ ہوگئے، شام میں ایک جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیا، وہاں عیسائیوں کا ایک عبادت خانہ تھا، جس کے قریب ایک درخت تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کے نیچے بیٹھ گئے، گرجے میں ایک راہب تھا جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بڑا متاثر ہوا کہ کس قدر عظیم وجاہت والا شخص ہے، اس نے غلام (میسرہ) سے پوچھا تمہارے ساتھ یہ آدمی کون ہے؟ جو اس درخت کے نیچے بیٹھا ہوا ہے؟ اس نے کہا: یہ ایک قریشی نوجوان ہے جو حرم مکہ میں رہتا ہے، اس راہب نے کہا: میرا بڑا طویل تجربہ ہے، جس درخت کے نیچے تمہارا یہ ساتھی بیٹھا ہوا ہے، اس کے نیچے آج تک نبی کے بغیر کوئی نہیں بیٹھ سکا، پھر کچھ ہی دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سامان وغیرہ ساتھ لائے تھے اسے فروخت کیا اور جو کچھ خریدنا چاہتے تھے وہ خریدا اور پھر مکہ کے لئے واپس روانہ ہوگئے۔

کہا جاتا ہے کہ میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کے وقت شدید گرمی ہوتی تو آسمان سے دو فرشتے آتے اور نبی پر سایہ کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر سفر جاری رکھے ہوئے ہوتے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ واپس پہنچے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو وہ مال پیش کیا تو اس کا منافع حالات سے بڑھ کر دوگنا یا اس کے قریب تر تھا، پھر جب میسرہ غلام نے ان سے وہ راہب کا قصہ نیز دو فرشتوں کا سایہ کرنے کا واقعہ بیان کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ تمام حالات (مال کا منافع عام حالات سے بڑھ کر اور پھر آپ کی امانت ودیانت) دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں۔

پھر (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خود بھی نہایت سمجھدار اور مدبرہ خاتون تھیں) انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیغام بھیجا جس میں آپ فرماتی ہیں کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے آپ اپنی قوم (خاندان) میں نہایت شریف، دیانت دار، باعزت، امین اور انتہائی کریمانہ اخلاق کے حامل ہیں اور پھر میری آپ سے اتنی رشتہ داری تو پہلے سے ہے کہ آپ خاندان قریش کے نہایت ہی تابندہ چشم و چراغ ہیں اور میں بھی قبیلہ قریش سے ہی ہوں، اگر آپ مجھ سے شادی کرلیں تو میں اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے آپ کی ممنون رہوں گی، چونکہ یہ زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملنے سے پہلے کا تھا ہرچند کہ آپ بہت سے اعتبار سے اپنے خاندان میں نمایاں کردار کے حامل تھے، لیکن اس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی خاندانی لحاظ سے بڑے اعلیٰ حسب نسب کی حامل تھیں اور پھر ساتھ ساتھ مال و متاع کی مالک اس قدر تھیں کہ ہر ایک قریشی کی خواہش تھی کہ ان سے میری شادی ہوجائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا یہ پیغام پہنچا جو درحقیقت اپنے اندر ہر طرح کی سچائی سمیٹے ہوئے تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان کے بڑوں سے بات کی اور آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے والد خویلد بن اسد کے پاس گئے اور نکاح کا پیغام دیا جسے انہوں نے بخوشی قبول کرلیا اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق مہر بھی دیا اور جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری شادی نہ کی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی، البتہ ایک بڑا بیٹا ابراہیم رضی اللہ عنہ، حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوا۔

امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایت نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے وحی کا آغاز رؤیائے صالحہ سے ہوا، چنانچہ آپؐ جب بھی کوئی خواب دیکھتے تو بالکل واضح وشفاف ہوتا کسی وضاحت کی ضرورت نہ ہوتی تھی، پھر آپ کو خلوت نشینی اچھی لگنے لگی، آپؐ غار حرا (جسے موجودہ زمانہ میں جبل النور کہا جاتا ہے) تشریف لے جاتے اور وہاں کئی دن تک عبادت کیا کرتے اور گھر واپس نہ لوٹتے حتی کہ توشہ ختم ہوجاتا پھر آپؐ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لاتے اور دوبارہ توشہ وغیرہ لے کر غار حرا تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ ایک دن آپؐ غار حرا میں تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپؐ کے پاس وحی لے کر تشریف لائے اور آپؐ سے فرمایا: ''اقرأ'' یعنی پڑھئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نہیں پڑھ سکتا، آپؐ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین نے مجھے اس قدر زور سے بھینچا کہ میری طاقت اپنے منتہا کو پہنچ گئی یعنی میری طاقت جواب دینے لگی، جبریل امین نے پھر مجھے چھوڑ دیا اور فرمایا: پڑھ، میں نے کہا: میں نہیں پڑھ سکتا، جبریل امین نے مجھے تیسری دفعہ بھینچا اور اس قدر شدت سے کہ مجھے لگا کہ اب میری جان نکل جائے گی، پھر مجھے چھوڑا اور فرمایا: ''اقرا بسم ربک الذی خلق'' (یہاں تک کہ ''مالم یعلم'' تک) پڑھ کر سنایا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیات سن کر گھر تشریف لائے تو آپ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو فرمایا: مجھے چادر اوڑھادو، مجھے چادر اوڑھادو، حتی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف کم ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے کیا ہوگیا ہے؟ پھر آپؐ نے انہیں سارا قصہ سنایا اور فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہوگیا تھا، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ہرگز ایسا نہیں ہوگا، بلکہ آپ کے لئے خوشخبری ہے، اللہ تعالیٰ کبھی بھی آپ کو رسوا نہیں کریں گے، آپ رشتہ داری قائم رکھتے ہیں، آپ صادق ہیں، آپ ضعیفوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ اپنے مال سے دوسروں کی مدد کرتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں اور حق بجانب امور میں مصیبت زدہ لوگوں کی مدد فرماتے ہیں، پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ورقہ ابن نوفل کے پاس آئیں، یہ ان کے چچازاد بھائی تھے جو جاہلیت میں نصرانی تھے اور یہ عربی زبان میں لکھا کرتے تھے اور انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کیا کرتے تھے اور اس وقت یہ بوڑھے اور نابینا ہوچکے تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ سے کہا: اے میرے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے کی بات سنو، ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوکر کہا: بھتیجے کیا دیکھا تم نے؟ آپؐ نے انہیں سب کچھ بتادیا، جب ورقہ نے سب سن لیا تو کہا: یہ وہی رازداں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا، پھر ورقہ نے کہا: کاش میں ایام دعوت میں جوان اور قوی ہوتا تو میں آپ کی پوری حمایت اور مدد کرتا، پھر کہا کہ اگرچہ میں نوجوان نہ ہوتا تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ میں اس زمانہ میں ہوتا جب کہ آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔ ورقہ کا یہ جواب سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا وہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا: جی ہاں! (یہ سنت انبیاء ہے) آپ جو بات لے کر آئے ہیں اس جیسی بات جب بھی کوئی نبی لایا ہے، اس کے ساتھ عداوت کی گئی ہے اور عداوت کا انجام دور تک پہنچتا ہے، آدمی کو اپنا وطن تک چھوڑنا پڑتا

ہے، اگر تمہارا وہ دن مجھ کو مل گیا تو میں تمہاری زبردست مدد کروں گا، پھر زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی بھی کچھ عرصہ کے لئے موقوف ہوگئی۔(کشف الباری)

امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق سے روایات نقل کی ہے وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ فرماتے تو بہت ہی ان کی تعریف فرماتے، ایک دن مجھے غیرت آگئی اور میں نے کہا یارسول اللہ! آپ کیوں اس لال باچھوں والی عورت کا تذکرہ بکثرت فرماتے ہیں، جبکہ اللہ رب العزت نے آپ کو اس سے بہتر بیوی عنایت فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر بیوی عطا نہیں فرمائی، خدیجہ کی شان تو یہ تھی کہ جب سب لوگوں نے مجھ پر ایمان لانے سے انکار کردیا تو خدیجہ مجھ پر ایمان لائی اور جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا تو حضرت خدیجہؓ نے میری تصدیق کی، جب لوگوں نے مجھے مال سے محروم کیا تو خدیجہ نے اپنے مال سے میری مدد کی اور جب ساری عورتوں کی اولاد نے مجھے محروم کیا تو اللہ نے خدیجہ کے ذریعے مجھے اولاد عطا کی۔(رواہ احمد فی مسند)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے اسلام کا نور چمکا اور ساری دنیا کو منور کردیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ یہ گھر پھلدار، زرخیز اور مبارک جگہ قرار پائے۔

اس گھر کی ایک برکت تو یہ تھی کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا خود اور ان کی صاحبزادیاں (بنات رسول) سب سے پہلے اسلام لائیں بلکہ ہر وہ شخص جو اس گھر کی چھت کے نیچے تھا اس نے اسلام لانے میں پہل کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دونوں پہلے اسلام لائے اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے تحت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مبارک گھر میں قیام پذیر تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اس گھر کو بڑی مبارک فضیلت اور مرتبہ حاصل ہے۔ محب طبری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا گھر مکہ میں مسجد حرام کے بعد سب سے زیادہ افضل جگہ تھی۔ واللہ اعلم۔(اور یہ بات غالباً اس لئے کہی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طویل عرصے اس میں مقیم رہے اور اس میں آپؐ پر وحی نازل ہوتی رہی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اس کو خرید لیا اور اسے مسجد بنادیا جس میں نماز پڑھی جاتی ہے)۔(جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین، ص:۲۶، بحوالہ شفاء الغرام باخبار البلد الحرام ج:۱، ص:۴۳۸)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تقریباً چوتھائی صدی (۲۴ سال اور چند ماہ) کے قریب عرصہ گزارا اور اپنی اس مبارک زندگی میں اپنے شوہر کی ہمدرد اور دل جو زوجہ ثابت ہوئیں، وہ آپؐ کے ساتھ ہر غم و خوشی میں شریک ہوئیں، اور آپ کی خوشی اور رضا کا لحاظ رکھتیں اور جن سے آپ کو انسیت ہوتی (جن لوگوں سے آپ کو تعلق و محبت ہوتی) ان سے نیک سلوک روا رکھتیں تا کہ آپؐ کے دل میں ان کا رتبہ بڑھے، ان کے نیک سلوک اور کرم کی وہ ادائیں سامنے آئیں جنہوں نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اونچے اور باعزت مرتبے پر فائز کردیا۔

ایک سال لوگوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح ہونے کے بعد کی بات ہے) اسی سال حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لئے تشریف لائیں اور جب واپس لوٹیں تو ان کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دیا ہوا ایک اونٹ تھا، جس پر پانی لدا تھا اور چالیس بکریاں بھی ساتھ دیں اور ان کا سلوک اس کے بعد بھی ظاہر ہوا کہ جب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی رضاعی والدہ حضرت ثویبہ رضی اللہ عنہا تشریف لاتیں تو ان کا خوب اعزاز و اکرام کرتیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی بنا پر۔
(جنت کی خوشخبری پانے والی خواتین، ص:۲۷،۲۸)

امام ابو حاتم و ابو عمرو دولابی رحمہم اللہ کی تصریح کے مطابق حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات قبل از ہجرت تین سال مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ساٹھ سال کی تھیں جب ماہ رمضان میں ''الحجون'' نامی جگہ میں آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی۔

صاحب المشکوٰۃ فرماتے ہیں کہ قبر میں اتارنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود نیچے اترے، اس وقت تک میت پر نماز جنازہ پڑھنے کی سنت مشروع نہیں ہوئی تھی۔

ابن اسحٰق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے چچا ابوطالب کی وفات ایک ہی سال میں بعثت رسول کے دس سال بعد ہوئی۔

علامہ دولابی رحمہ اللہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات نماز فرض ہونے سے پہلے ہوئی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت میں میں نے خدیجہ کا گھر دیکھا جو موتیوں کا بنا ہوا تھا۔

علمائے سیرت میں نقل کیا کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ابوطالب کی وفات سے تین دن بعد ہوئی۔☆☆☆

رفع ونزول عیسیٰ علیہ السلام

(۲۱)

حافظ عبید اللہ

شبہ نمبر 3
عیسیٰؑ کو قرآن وسنت کی تعلیم کیسے ملے گی؟

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ مسلمانو اتم کہتے ہو کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ شریعت محمدیہ پر عمل پیرا ہوں گے، اور تمہارے عقیدے کے مطابق وہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی آسمان پر چلے گئے تھے، تو اب جب وہ دوبارہ آئیں گے تو انہیں شریعت محمدیہ اور قرآن وسنت کا علم کیسے حاصل ہوگا؟ کیا ان پر قرآن دوبارہ نازل ہوگا؟۔

جواب...... اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چار چیزوں کا علم عطا فرمایا (1) کتاب (2) حکمت (3) تورات (4) انجیل، اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا تھا:

﴿ویعلمه الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل﴾ اللہ تعالیٰ انہیں کتاب وحکمت اور تورات وانجیل کی تعلیم دے گا۔ (آل عمران:48)

اور جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے احسانات وانعامات کا ذکر فرمائیں گے تو ارشاد ہوگا:

﴿اذ علمتک الکتاب والحکمة والتوراة والانجیل﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم کو کتاب وحکمت اور تورات وانجیل تعلیم کیں۔

(المائدہ:110)

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو چار چیزوں کی تعلیم دینے کا ذکر فرمایا، تورات وانجیل کا تو ہمیں معلوم ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ”کتاب وحکمت“ کیا ہیں؟ تو جب ہم قرآن کریم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد قرآن وسنت کا علم ہے، چند آیات پیش ہیں:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کرتے ہوئے یہ دعا فرمائی تھی ﴿ربنا وابعث فیهم رسولاً منهم یتلوا علیهم آیاتک ویعلمهم الکتاب والحکمة ویزکیهم﴾ اے ہمارے رب ان میں انہی میں سے رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک کرے (البقرة:129)، اور پھر اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ﴿لقد منّ اللّٰه علی المؤمنین اذ بعث فیهم رسولاً من أنفسهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین﴾ بے شک مومنوں پر اللہ نے احسان کیا کہ انہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے، بے شک اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے (آل عمران:164)، اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی کتاب وحکمت کا ذکر ہے اور ان تمام آیات میں کتاب سے مراد قرآن کریم کا علم اور حکمت سے مراد سنت محمدیہ ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ جس طرح اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تورات وانجیل سکھائی اسی طرح وہ انہیں قرآن وسنت سکھا کر ہی نازل فرمائیں گے۔

قادیانی کہتے ہیں کتاب وحکمت سے مراد خط وکتابت یعنی لکھنا پڑھنا ہے، اگر ان کی یہ دلیل مان لی جائے تو مندرجہ بالا آیات کا مطلب یہ ہوگا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھایا کرتے تھے جو کہ ظاہر ہے ایک غلط مفہوم ہے کیونکہ آپ امی تھے، جب آپ خود لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے تو اس کی تعلیم کیسے دے سکتے تھے؟

اب ہم قادیانیوں سے سوال کرتے ہیں کہ جسے تم ”مسیح موعود“ کہتے ہو اس نے قرآن وسنت کا علم کیسے حاصل کیا؟ اس نے تو لکھا ہے کہ:

”کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔“ (ایام الصلح، رخ14، صفحہ 394)

تو بتایا جائے کہ مرزا قادیانی نے قرآن وحدیث اور شریعت کا علم کس سے اور کیسے حاصل کیا؟ یاد رہے کہ مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا تھا کہ: ”اور جو آیت خاتم النبیین میں وعدہ دیا گیا ہے اور جو حدیثوں میں بتصریح بیان کیا گیا ہے کہ اب جبرائیل بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے وحی نبوت لانے سے منع کیا گیا ہے۔“

(ازالہ اوہام حصہ دوم، رخ3، صفحہ 412)

''اور ابھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اب وحی رسالت تا بقیامت منقطع ہے۔'' (ازالہ اوہام حصہ اول، رخ3، صفحہ 432)

''اے لوگو! اے مسلمانوں کی ذریت کہلانے والو دشمن قرآن نہ بنو اور خاتم النبیین کے بعد وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ کرو اور اس خدا سے شرم کرو جس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے۔'' (آسمانی فیصلہ، رخ4، صفحہ 335)

لہٰذا یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مرزا قادیانی پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے قرآن وسنت کا علم وحی کے ذریعے نازل کیا ہو، تو پھر مرزا کو یہ علم کس طریقے اور واسطے سے حاصل ہوا؟، کیا مرزا قادیانی پر قرآن کریم دوبارہ نازل ہوا تھا؟

شبہ نمبر 4

درجہ میں کون سا نبی زیادہ ہے؟

ایک سوال یہ کیا جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو آسمان پر زندہ اٹھانا تھا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہ اٹھایا جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل نبی ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ افضل نبی تو زمین میں مدفون ہوں اور ان سے کم درجہ کے نبی آسمان میں زندہ موجود ہوں؟

جواب ...... کسی نبی کے آسمان پر اٹھائے جانے یا زمین میں مدفون ہونے سے اس کے درجہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسے اللہ نے ہر نبی کو وقت اور ضرورت کے لحاظ سے معجزات عطا فرمائے، کسی نبی کو ایک معجزہ دیا گیا تو کسی کو کوئی دوسرا معجزہ، اب انبیاء کے معجزات کو بنیاد بنا کر اپنی عقل سے ان کے درجے متعین کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں نبی کو فلاں معجزہ ملا لہٰذا اس کا درجہ بلند ہو گیا اور فلاں نبی کو فلاں معجزہ نہیں ملا لہٰذا اس کا درجہ کم ہو گیا انتہائی درجہ کی جہالت ہے، افضل تو وہی ہے جسے اللہ نے افضل قرار دیا ہے۔

اب قادیانی ان سوالات کے جواب دیں:

☆ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے اللہ کی خاص قدرت سے پیدا ہوئے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی تھے تو افضل کون ہوا؟

☆ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر 950 سال سے زیادہ، مرزا قادیانی کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر 125 سال ہوئی، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تقریباً 63 برس، اس کے متعلق قادیانیوں کا کیا خیال ہے؟

☆ فرشتے آسمان پر رہتے ہیں جبکہ بہت سے انبیاء زمین میں مدفون ہیں، تو افضل کون ہوا، فرشتے یا انبیاء؟

☆ قادیانی زمین کے اوپر چلتے ہیں جبکہ مرزا قادیانی زمین کے نیچے مدفون ہے تو افضل کون ہوا؟

☆ پرندے فضا میں اڑتے ہیں اور مرزائی زمین پر چلتے ہیں، تو کسی تار پر بیٹھا کوا افضل ہوا یا مرزائی؟

☆ مرزا قادیانی کے بقول حضرت عیسیٰ علیہ السلام سری نگر کشمیر میں مدفون ہیں، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں، تو مرزائی بتائیں کہ سطح سمندر سے کشمیر زیادہ بلند ہے یا مدینہ؟ اگر کشمیر زیادہ بلند ہے تو پھر افضل کون ہوا؟

☆ موتی سمندر کی تہہ میں ہوتے ہیں جبکہ جھاگ وغیرہ سطح سمندر پر، تو کیا جھاگ موتیوں سے بہتر ہو گئی؟

الغرض! کسی کے اوپر نیچے ہونے سے عظمت یا تنقیص لازم نہیں آتی، جس کی جو شان ہے وہ برقرار رہے گی، تمام انبیاء سے افضل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اسی پر پوری امت کا ایمان ہے۔

شبہ نمبر 5

حضرت عیسیٰ آسمان پر جاتے ہوئے کرۂ ناریہ اور کرۂ زمہریریہ سے کیسے گزرے؟

جواب نمبر 1 ...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام بالکل اسی طرح ان ناری اور زمہریری کروں سے گزرے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام گذرے (حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آسمان میں زندہ ہونا مرزا قادیانی کی تحریروں سے پہلے بیان ہوا)۔

جواب نمبر 2 ...... مرزا قادیانی نے خود تسلیم کیا ہے کہ کسی انسان کا بجسم عنصری آسمان پر جانا ممکن ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''ہماری طرف سے یہ جواب ہی کافی ہے کہ اول تو خدا تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں کہ انسان مع جسد عنصری آسمان پر چڑھ جائے۔'' (چشمہ معرفت، رخ23، صفحات 227، 228)

نوٹ: اسی جگہ آگے مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ''قرآن شریف میں کئی جگہ صاف فرمایا ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر نہیں جائے گا بلکہ تمام زندگی زمین پر بسر کریں گے۔'' (رخ23، صفحہ 228)، نہ تو قرآن میں ایسی کوئی آیت ہے کہ کوئی شخص جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر نہیں جا سکتا اور نہ ہی ایسی کوئی آیت ہے کہ ہر انسان اپنی زندگی کا ہر لمحہ، ہر دن زمین پر ہی بسر کرے گا، آج ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اپنے جسم عنصری کے ساتھ کئی کئی مہینے خلا میں رہتے ہیں، ہر لمحہ کئی انسان ہوائی جہازوں میں سفر کر رہے ہوتے ہیں، اگر انسان کا اپنی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر دن زمین پر ہی گذارنا ضروری ہوتا تو نہ کوئی خلا میں جا کر زندہ رہ سکتا اور نہ کوئی ہوائی جہاز میں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مسلمانوں کا بھی عقیدہ ہے کہ آپ کی پیدائش زمین پر ہوئی اور آپ کی وفات بھی زمین پر ہی ہوگی اور آپ کی تدفین بھی زمین میں ہوگی۔

(جاری ہے)

معتمد اور غیر معتمد تفاسیر

آج کل جدیدیت کا دور ہے، عصری اداروں کا پروردہ ہر چیز میں جدت کا متقاضی ہے، اس چیز کو دیکھتے ہوئے کئی ایک ملحدین اور متجددین نے تفسیر بالرائے کو اپنا طیرہ بنایا اور وہ تفسیریں عصری علوم کے حاملین وطالبین کے نظر میں پسندیدگی کی سند لینے لگی، جس سے سادہ لوح مسلمان بھی ان کے دام تزویر میں آنے لگے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا فضل محمد صاحب (استاذ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی) نے ان تمام ملحدین اور متجددین کی تفسیروں کو سامنے رکھ کر قرآن وسنت کی نصوص، صحابہ کرامؓ کے اقوال اور ائمہ مجتہدین کی تصریحات کی روشنی میں ان کے ابطال اور ان کی تفسیر بالرائے کے نقصانات کو واضح فرمایا۔ چونکہ یہ مضمون اپنے موضوع کی بناپر طویل ہوگیا تو انہوں نے اس کا نام ”معتمد اور غیر معتمد تفاسیر“ رکھ کر اسے کتابی شکل میں شائع کردیا۔ افادۂ عام کی غرض سے اس مضمون کو قسط وار ہفت روزہ ”ختم نبوت“ میں شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

(۳۱)

حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی مدظلہ

اصلاحی صاحب کا شاذ نظریہ نمبر۱۰

﴿وَمَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ﴾ (بقرہ: آیت:۱۰۲)

ترجمہ: ”اور اس علم کے پیچھے ہولئے جو اترا دو فرشتوں پر بابل میں جن کا نام ہاروت وماروت ہے۔“ امین اصلاحی صاحب نے کئی وجوہات ذکر کیے اور کہا کہ ہاروت وماروت دو فرشتوں کو جو علم دیا گیا تھا وہ جادو نہیں تھا کوئی اور علم تھا پھر اس علم کی اس طرح وضاحت اور تعیین کیا اور کہا ”ہمارے نزدیک اس سے مراد اشیاء اور کلمات کے روحانی خواص وتاثیرات کا وہ علم ہے جس کا رواج یہود کے صوفیوں اور پیروں میں ہوا اور جس کو انہوں نے گنڈوں تعویذوں اور مختلف قسم کے عملیات کی شکل میں مختلف اغراض کے لئے استعمال کیا۔“ (تدبر قرآن:۲۴۱)

تبصرہ:

عام مفسرین نے ہاروت وماروت کے جادو کی بات لکھی ہے بطور امتحان اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اگر ایسا ہوا ہے تو اس میں کوئی حکمت پوشیدہ ہوگی پھر اس سے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے قرآن مجید کے ظاہر کو چھوڑ کر تعویذوں اور گنڈوں کو اس کا مصداق بنانا بلا دلیل ہے اور یہ بڑا المیہ ہے کہ اصلاحی صاحب اور ان کے استاذ فراہی صاحب اور ان کا شاگرد جاوید احمد غامدی صاحب اپنی منفرد رائے پر کبھی دلیل نہیں دیتے ہیں نہ کسی مفسر کا حوالہ دیتے ہیں۔

نیز اس قسم کی تعویذات اور گنڈے بھی شرکیہ کلمات سے محفوظ نہیں ہوتے ہیں۔ یہ بھی جادو ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے (جس کو قبائلی اصطلاح میں لوگ ”کوڈے“ کہتے ہیں جب اس میں بھی جادو ہے تو پھر اصلاحی صاحب دقیق نکتوں اور مخفی اشارات کا سہارا لیکر دونوں میں فرق کرنے کی لاحاصل کوشش کیوں کرتے ہیں جبکہ ان کے پاس قرآن وحدیث میں سے کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ وہ الگ رخ اختیار کرنے میں کسی دلیل کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ہاں تورات وانجیل اور محرف ومنسوخ صحیفوں کے حوالہ جات دینے کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔

مولانا جلیل احسن ندوی صاحب نے اپنی کتاب کے ص:۴۵ سے ۴۸ تک اصلاحی صاحب کے ترجمہ وتفسیر کا خوب تعاقب کیا ہے۔

اصلاحی صاحب کا شاذ نظریہ نمبر۱۱

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (بقرہ: آیت:۱۰۶)

ترجمہ: ”جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ (ترجمہ شیخ الہند)

شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوتی ہیں اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں، لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔ (تفسیر عثمانی:۲۰)

علامہ اصلاحی صاحب نے نسخ پر لمبا چوڑا کلام کیا ہے اور آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ زیر نظر آیت میں نسخ کا جو ذکر ہے اس سے ادیان سابقہ کا نسخ مراد ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”سیاق وسباق اور نظم کلام کی روشنی میں ہم نے اس آیت کا تعلق صرف ادیان سابقہ سے مانا ہے اہل کتاب نے یہ اعتراض جو اٹھایا کہ قرآن جب ہماری کتابوں کو آسمانی تسلیم کرتا ہے تو ان کی تعلیمات کو منسوخ کیوں کرتا ہے؟ قرآن کریم نے یہ ان کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے۔ (تدبر قرآن:۲۶۴)

(جاری ہے)

پوری دُنیا میں قادیانیت کا تعاقب | قادیانیوں کو دعوتِ اسلام | سینکڑوں مبلغین کے ذریعہ قادیانی سرگرمیوں کا سدباب

عدالتوں میں قادیانیت کے متعلق مقدمات کی پیروی | دفاترِ ختمِ نبوت ، دارالتصنیف اور لائبریریوں کا قیام

قادیانیت سے تائب ہونے والے مسلمانوں کی نگہداشت | ہفت روزہ ختمِ نبوت کے ذریعہ قادیانیت کا قلمی پوسٹ مارٹم

اِن تمام صدقاتِ جاریہ میں شرکت کے لیے

زکوٰۃ، صدقات، فطرہ، عطیات

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوّت کو دیجئے

نوٹ: مجلس کے مرکزی دفاتر میں رقوم جمع کرا کے مرکزی رسید حاصل کر سکتے ہیں۔ رقوم دیتے وقت مد کی صراحت ضروری ہے تاکہ شرعی طریقے سے مصرف میں لایا جاسکے۔

اپیل کنندگان

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب — امیر مرکزیہ

مولانا صاحبزادہ خواجہ عزیز احمد صاحب — نائب امیر مرکزیہ

حضرت مولانا حافظ ناصرالدین خاکوانی مدظلہ — نائب امیر مرکزیہ

حضرت مولانا عزیزالرحمن جالندھری صاحب — مرکزی ناظم اعلیٰ

ترسیلِ زر کا پتہ

دفتر مرکزیہ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
حضوری باغ روڈ ملتان

فون +92-61-4583486, +92-61-4783486

WEEKLY KHATM-E-NUBUWWAT, A/c # 0010010964680019

(الائیڈ بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN # PK068ABPA0010010964680019

AALMI MAJLIS TAHAFFUZ KHATM-E-NUBUWWAT

Account # 0010010964710018

(الائیڈ بینک اکاؤنٹ نمبر) IBAN # PK45ABPA0010010964710018

Allied Bank Binori Town Branch Code: 0159 Karachi.

رابطہ دفتر: جامع مسجد باب الرحمت، ایم اے جناح روڈ کراچی

فون +92-21-327780337

فیکس +92-21-327780340